والدین کی اجازت کے بغیر جہاد
کیا خلیفہ کی اجازت کے بغیر جہاد نہیں ہو سکتا؟، جہاد کے بغیر خلافت کا قیام ناممکن ہے
جہاد اور اذنِ حکومت جاوید غامدی کا خود ساختہ قانون جہاد، طاغوت کے ماتحت جہاد کی شرعی حیثیت
جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا کا معنی ومفہوم۔

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝ (التوبۃ: ۹/۴۴۔۴۵)

اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ویقین رکھنے والے تو مالی اور جانی جہاد سے رک رہنے کی کبھی بھی تجھ سے اجازت طلب نہیں کریں گے، اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔
یہ اجازت تو تجھ سے وہی طلب کرتے ہیں جنہیں نہ اللہ پر ایمان ہے نہ آخرت کے دن کا یقین ہے۔ جن کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ اپنے شک میں ہی سرگرداں ہیں۔

4-lake Road Chuburji Lahore
Ph & Fax: 91-42-7230549
www.jamatdawa.org

فہرست

جہاد کے بغیر خلافت کا قیام ناممکن ہے

والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کا مسئلہ

کیا خلیفہ کے بغیر جہاد نہیں ہو سکتا؟

جہاداوراذن حکومت

جاوید غامدی کا خودساختہ ’’قانون جہاد‘‘

طاغوت سے برتاؤ

کیا ہر نیکی جہاد فی سبیل اللہ ہے؟

’’جَاھِدْھُمْ بِہٖ جِھَادًا کَبِیْرًا‘‘

کا معنی ومفہوم

عرضِ ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَشْرَفِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَ اَمَّا بَعْدُ !

تاریخ اسلام اس بات پر گواہ ہے کہ دنیا میں جب بھی جہاد فی سبیل اللہ ہوا تو ایمان کا دعویٰ کرنے والے دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ ان لوگوں کا جنہوں نے حق کی خاطر قربانیاں پیش کیں، انہیں پھانسیوں کے پھندوں پر لٹکایا گیا، پاؤں میں رسیاں باندھ کر گھسیٹا گیا، آروں سے چیرا گیا، آنکھوں میں لوہے کی سلاخیں ماری گئیں، سنگ باری کی گئی، جسم کے مثلے کیے گئے، ٹکڑے ٹکڑے کر کے گلے کے ہار بنائے گئے، لوہے کی کنگھیوں سے جسم کو چھیدا گیا، گرم کھولتے ہوئے تیل میں ڈالے گئے لیکن یہ سب رکاوٹیں ان کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہ کر سکیں اور وہ دیوانہ وار کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لیے آگے بڑھے اور روم و ایران کو انہوں نے کچل دیا، یورپ و ایشیا کو پامال کر دیا اور افریقہ کے ساحلوں پر سمندروں میں اپنے جہادی گھوڑوں کو ڈال کر یوں گویا ہوئے۔

دشت تو دشت رہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

یہ وہ گروہ ہے کہ دنیا کی کوئی مجبوری، عذر، حیلہ، بہانا ان کو حق کی راہوں سے نہ ہٹا سکا۔

آج بھی دنیا کا کفران کی ضرب کاری سے تھر تھر کانپ رہا ہے، عصر حاضر کے فرعون اپنے تمام تر وسائل کے باوجود ناکامیوں کا منہ دیکھ رہے ہیں اور ان کی کوئی تدبیر کامیاب ہوتی دکھائی نہیں دیتی۔ حالانکہ ان کے منصوبے ایسے ہیں کہ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ قَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَ عِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ وَ اِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴾

[ابراهيم : ١٤/٤٦]

”اور انہوں نے (بڑی بڑی) تدبیریں کیں اور ان کی سب تدبیریں اللہ کے ہاں (لکھی ہوئی) ہیں۔ گو وہ تدبیریں (ایسی غضب ناک) تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ہل جائیں۔“

دوسرا گروہ اشکال زدہ مسلمانوں کا ہے جنہیں نہ تو قرآن کی آیتیں سمجھ میں آتی ہیں اور نہ نبی اکرم ﷺ کی جہاد کی سیرت سے کوئی سروکار ہے۔ ہر صبح نئے اشکال اور ہر شام نئی الجھنیں۔ اس گروہ کا آغاز بھی نبی اکرم ﷺ کے میدان جہاد میں اترتے ہی ہو گیا تھا۔ ان کی مکمل کیفیت سورۂ توبہ، احزاب، آل عمران اور المنافقون میں اللہ تعالیٰ نے بالتفصیل بیان فرمائی ہے۔

تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں تو جہاد سے مختلف حیلوں، بہانوں سے جان چھڑانے والے ہر دور میں رہے ہیں۔ مجاہدین کو کفر کے سامنے جان پیش کرتے وقت اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی ایسے لوگوں کے بے کار اعتراضات واشکلات سے ہوتی ہے۔

زیر نظر کتاب ''مقالات جہاد'' اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ اس میں کوشش کی گئی ہے کہ عصر حاضر میں جہاد پر اٹھنے والے اعتراضات کا مدلل جواب دیا جائے۔ اس کے لیے میں نے مجلة الدعوة سے فائدہ اٹھایا۔ مختلف مواقع پر محترم حافظ محمد سعید صاحب، حافظ عبدالسلام بن محمد، مفتی عبدالرحمٰن رحمانی، مولانا محمد یوسف طیبی، مولانا احسان الحق شہباز اور حافظ مبشر احمد ربانی کے مضامین مجلة الدعوة میں شائع ہوئے جبکہ حافظ محمد ابراہیم سلفی کی ''طاغوت سے برتاؤ'' کے عنوان سے جامع تحریر بھی میسر آئی، ان تمام مضامین کو جو حقیقت میں جہاد پر اٹھنے والے اعتراضات واشکلات کا ازالہ تھے جمع کیا گیا اور اب اللہ کی توفیق سے ''مقالات جہاد'' کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔

قارئین سے گزارش ہے کہ اسے خود بھی پڑھیں اور ایسے احباب تک پہنچانے کی کوشش کریں جو آج بھی جہاد اور مجاہدین پر اعتراضات کرتے نہیں تھکتے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ اسے تمام مسلمانوں کے لیے نافع اور مصنفین کے لیے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین!!

آپ کا بھائی!

سیف اللہ خالد

مدیر ''دارالاندلس''

❀ …… ❀ …… ❀

جہاد کے بغیر خلافت کا قیام ناممکن ہے

منہج انقلاب نبوی ﷺ پر بحث کرتے ہوئے ہم عام طور پر انقلاب کا لفظ اکثر استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح عرب دنیا میں آج کل ثورہ لفظ اسی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے جبکہ سلف میں ان الفاظ کا استعمال ہمیں نہیں ملتا۔ ہمیں الفاظ کا استعمال بھی بہت احتیاط سے کرنا چاہیے کیونکہ الفاظ کی بھی اپنی ثقافت ہوتی ہے۔ وہ مخصوص معانی اور افکار کے حامل ہوتے ہیں۔ دراصل انگریزی زبان کے لفظ "Revolution" کا ترجمہ انقلاب یا ثورہ کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔ یورپ کے ہاں تاریخ نے انقلابات کو بیان کیا ہے جبکہ ہمارے ہاں اسلامی تاریخ میں انبیاء اور ان کے منہج پر چلنے والوں نے اصلاح کا کام کیا ہے۔ ہر دور میں اللہ کے بندوں کو صحیح منہج پر دعوت دینا اور ان کے عقائد و اعمال کو اللہ کے احکام اور نبی ﷺ کی سنت کے مطابق انجام دینا ہی اصل کام ہے۔ جبکہ انقلاب کا جو ایک تسلسل سے مروجہ فلسفہ ہے، اس میں سارا زور اور محور حکومت اور نظام حکومت کے گرد گھومتا ہے۔ لوگوں کے اندر دینی و روحانی اور عقیدہ کی تبدیلی لانا انقلاب میں شامل نہیں ہوتا۔ اس اعتبار سے الفاظ بھی وہی استعمال ہونے چاہئیں جو ہماری تاریخ یا ثقافت کے ہوں۔

رسول اللہ ﷺ مکمل دین کے ساتھ مبعوث ہوئے:

اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ پر دین کو مکمل کر دیا۔ آپ ﷺ نے مکمل دین کو انسانوں تک پہنچا دیا اور تشریح و تفسیر کے اعتبار سے واضح بھی کر دیا اور اسی طرح اللہ نے نبی اکرم ﷺ کے ذمے یہ کام بھی لگایا تھا کہ دین کو غالب کر دے چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے دین کو غالب اور قائم کر کے دکھا دیا۔ گویا کہ کسی چیز کو تشنہ نہیں چھوڑا کہ امت میں ان موضوعات پر جھگڑے کھڑے ہو جائیں یا ہر دور میں نئی تعبیرات کی ضرورت پڑے۔ بلکہ نبی اکرم ﷺ نے ایک واضح لائحہ عمل پیش کیا ہے۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کو غالب کر دیں اور قائم کر دیں تو ہمارے سامنے اسوہ رسول ﷺ موجود ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ ہم دل و جان سے اس بات کو تسلیم کر لیں کہ ہم نے اپنے کام کا رخ منہج نبوی کی طرف رکھنا ہے، جدید تقاضوں کے نام لے کر جدّت کی طرف نہیں بڑھنا۔ اس سے الحاد کے بہت سے دروازے کھلے ہیں اور امت حقیقت میں اسی بھنور میں پھنسی ہوئی ہے۔

سب سے پہلے عقیدے کی اصلاح:

افکار کی اس جنگ میں اصلاح کا لفظ اول یہ ہے کہ ہم اپنے عقیدے کو درست کریں۔ یہ عقیدے کی خرابی ہے کہ اس دور میں بہت سے مفکرین یہ سمجھتے ہیں کہ آج نئی تعبیرات کی ضرورت ہے۔ انہوں نے جدید تقاضوں کے پیش نظر بہت سے فلسفے ایجاد کیے ہیں اور انسانوں کو درپیش مسائل کا حل پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ سب لوگ مسائل کو حل کرنے میں ناکام ہوئے ہیں بلکہ انھوں نے مسائل کو الجھایا ہے اور امت کو فکری اختلاف کی اس مصیبت میں ڈال دیا ہے کہ اس سے پہلے یہ مصیبت نظر نہیں آتی جبکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا:

«تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْمَحَجَّةِ الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا لَا يَزِيغُ عَنْهَا اِلَّا هَالِكٌ» [1]

''لوگو! میں تم میں ایسا واضح راستہ چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اس میں رات بھی دن کی طرح ہے یعنی روشنی ہی روشنی ہے، اس سے ہٹ جانا ہلاکت ہے۔''

آیئے! سوچیں کہ نبی اکرم ﷺ کا بیان کردہ ''محجة البیضاء'' کہاں ہے اور آج جن راستوں پر ہم چل رہے ہیں ان کی حیثیت کیا ہے اور ہمیں یہ بھی سوچنا ہے کہ موجودہ دور میں مختلف منہج اور راستے کہاں سے آئے ہیں۔

فکری غلطیوں کے بنیادی اسباب:

آج مسلم معاشرے پر مغرب کی گہری چھاپ دکھائی دیتی ہے اور برصغیر کے مسلم علاقوں میں یورپی اثرات کے ساتھ ساتھ ہندی تہذیب کا الگ بھی بہت گہرا اثر ہے۔ یہی حال مصر، الجزائر، تیونس اور افریقہ تک کے علاقوں کا ہے کیونکہ نصف صدی قبل بیشتر مسلم علاقے یورپی تسلط میں تھے۔ انگریزی اور فرانسیسی استعمار نے مسلم علاقوں میں فکر وعمل کی ایسی تخم ریزی کی ہے کہ جس سے نہ تو عقیدہ و ایمان سلامت رہا اور نہ ہی سیاست و معیشت بچ سکی۔ حقیقت ہے کہ غالب قوم مغلوب قوم کی ہر چیز پر قبضہ کرتی ہے۔ جب مسلمان غالب تھے تو رومی اور ایرانی تہذیبوں پر اسلام چھا گیا تھا اور جب مسلمانوں کو زیر کیا گیا تو مسلم علاقوں میں تعلیم وسیاست کے ادارے مغرب کا مال تیار کرنے لگ گئے۔

استعماری فکر نے جہاں تمام چیزوں کو متاثر کیا وہاں مفکرین کا ایک ایسا طبقہ پیدا کیا جس نے مغرب کی ہر چیز کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ مغربیت کے سامنے اپنے آپ کو بے بس ثابت کیا اور مسلم عوام کو یورپی فکر ماننے کے لیے قائل کیا۔ انگریزی قانون، تعلیم، سیاست اور اقتصادیات ہر چیز کو اسلامائز کرنے کا رجحان پیدا ہوا۔ اندر سے سب کچھ غیر اسلامی اور اوپر نام اسلام کا لگا کر چلانے لگے۔ اسلام سے ناواقف سادہ مسلمان، انگریزی پڑھنے والے اور اسلام سے جذباتی وابستگی رکھنے والے اس تحریک کا شکار ہو گئے۔

جمہوریت کو اسلامی بنا دیا گیا:

بعض جید علماء بھی اسلامائزیشن کی تحریک سے متاثر ہوئے۔ یہاں مغربی جمہوریت کو اسلامی بنایا گیا۔ یہ کام ایسے بزرگوں نے کیا جن کی اسلامی تحریک پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ انگریز جو سیاسی نظام لایا تھا، اس کو ہمارے ہاں بھرپور طور پر نافذ کیا۔ اس کے لیے ہندو پاک سے لوگوں کو منتخب کیا گیا اور برطانوی یونیورسٹیوں میں تربیت دے کر واپس بھیجا گیا جو نام کے تو مسلمان ہیں لیکن یہ نمائندے انگریز کے ہیں۔ انہی کے پروردہ لوگوں کو پاکستان کے مسلم عوام منتخب کرتے ہیں۔ مسلم عوام کے جذبات واحساسات اور ان کی اسلام پسندی کا یہ لوگ مذاق اڑاتے ہیں محض دھوکا دے کر ووٹ لیتے ہیں۔ انگریز نے سوچ سمجھ کر یہ چکر چلایا تھا سو وہ کام دکھا گیا۔ اب لاکھ سمجھاؤ لوگ ان باتوں کو سمجھنے بلکہ سننے سے عاری ہیں اور جمہوری تباہ کن نظام مسلم معاشرے کو گھن کی طرح کھا رہا ہے۔ افسوس! تو ان بزرگوں اور علماء

پر ہے جنہیں اصلاح کرنا تھی، وہ بھی اس چکر میں پڑ گئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس نظام کو بدلیں گے۔ انہوں نے اسلامی انقلاب کے لیے ایک عبوری دور کی گنجائش نکال کر جمہوریت کو تسلیم کرلیا اور پوری قوت سے اس میں چھلانگ لگا دی۔ پچاس سال ہونے کو ہیں ہمیشہ اسلام کی حفاظت بلکہ اسلامی انقلاب کے نام پر علماء انتخاب میں حصہ لیتے ہیں اور نتیجہ ہر دفعہ ان کے خلاف ہوتا ہے بلکہ ہر دفعہ گراف نیچے آ جاتا ہے اور گزشتہ انتخاب کے نتائج پر یورپی ملکوں نے خوش ہو کر یہ تبصرے کیے کہ پاکستان میں اسلام پسندوں کا صفایا ہو گیا ہے اور نتائج یہ بتاتے ہیں کہ لوگ اسلام کو نہیں چاہتے اور آئندہ دیکھتے جائیے، کیا رسوائیاں ہوتی ہیں۔ اگر نہ سنبھلے اور اصلاح نہ کی تو نتائج بد سے بدتر ہوتے جائیں گے۔

اسلامی جمہوریت کے بعد اسلامی سوشلزم:

اس وضاحت کا مقصد صرف آئینہ دکھانا تھا۔ آپ غور فرمائیں! ہمارے بعض علماء نے کتنی بڑی بڑی غلطیاں کی ہیں۔ جب پاکستان میں سوشلزم کے نعرے عام ہوئے تو یہاں اساسیات اسلام جیسی کتابیں لکھ کر سوشلزم کو اسلامی بنانے کی کوشش کی گئی بلکہ بعض قائدین نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اسلام روحانی سوشلزم ہے۔ اگر سوشلزم میں اللہ کا تصور پیدا کر دیا جائے تو وہ اسلام کے مطابق ہے؟ اسی اصول پر مغربی قانون کو اسلامی بنانے کی کوششیں ہوئیں۔ ہمارے خیال میں اسلامائزیشن کی پوری تحریک ہی غلط نظریے پر قائم ہے۔ کچھ لوگ شعوری طور پر ایسا کر رہے ہیں اور ان کا مقصد محض دھوکا دے کر مسلمانوں کے ہاں مغربیت کو رائج کرنا ہے اور کچھ لوگ غیر شعوری طور پر اس کا شکار ہو گئے۔ نتیجہ ہر دو صورتوں میں ایک ہی ہے۔

خودساختہ فلسفوں سے جہاد کو معطل کر دیا گیا:

اسی طرح ایک اور غلط فہمی کی طرف بھی اشارہ کرنا چاہتا ہوں جس نے امت مسلمہ کو بہت زیادہ نقصان سے دوچار کیا ہے وہ غزوہ فکری کا فلسفی رجحان ہے۔ ایک طبقہ وہ ہے جو یقیناً اصلاح چاہتا ہے۔ ان کے قائدین اور کارکنان یقیناً مخلص ہیں۔ بہت محنت کرتے ہیں لیکن ان کا سارا کام خودساختہ فلسفوں کے اردگرد گھومتا ہے۔ ہمارے ہاں مخلص لوگوں کی ایک مثال تبلیغی جماعت ہے۔ انہوں نے اسلام میں سے چند نکات جوڑ کر ایک خاص شکل بنائی۔ ان کا چھ نکاتی پروگرام ہر بڑے چھوٹے کو ازبر ہوتا ہے۔ اسی کی تبلیغ ہوتی ہے۔ اپنی محنت اور قربانی سے وہ دنیا بھر میں نمایاں ہو چکے ہیں۔ ان کی واضح غلطی یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کی بنیادی چیزوں کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا ہے کہ ہم ابھی ایسے دور میں تبلیغ کا کام کر رہے ہیں جس میں نہی عن المنکر اور جہاد وغیرہ کے کام نہیں آتے۔ انہوں نے کچھ کو اپنایا اور کچھ کو چھوڑا اور جنہیں چھوڑا تو ان کی تاویلیں کرنے لگ گئے۔ مثلاً انہیں پوچھا جاتا ہے کہ بھائی تم جہاد کو کیوں معطل کرتے ہو؟ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو جہاد کرتے ہیں اور وہ جہاد بالنفس ہے اور جہاد کی تمام قرآنی آیتوں کی تاویل کرتے ہیں۔ احادیث رسول اور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کے جہادی سفروں کے تمام واقعات کو تبلیغی خروج پر فٹ کرتے چلے جاتے ہیں۔ سننے والا کچھ ان کے اخلاص سے متاثر ہوتا ہے اور کچھ وہ تاویل کا ایسا شاندار رنگ جماتے ہیں کہ پتہ نہیں چلتا۔ لہٰذا یہ فلسفے اسلامی کاز کے لیے فائدے سے زیادہ نقصان کا باعث ہیں۔

خلافت کے نام پر خود ساختہ فلسفہ:

اسی طرح ہم احیائے خلافت کے لیے ایک نیا فلسفہ دیکھ رہے ہیں۔ بھائی فرماتے ہیں کہ پہلے ہم دعوت پیش کریں گے، پھر مار کھائیں اور پھر ماریں گے اور اسلامی انقلاب برپا کریں گے۔ان باتوں کو تاریخی تسلسل میں بڑے خوبصورت رنگ میں پیش کیا جاتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ محض ایک تخیل اور فلسفہ ہے۔

انکار حدیث کے نئے اور پرانے فتنے:

ہم تاریخ میں ایسے گروہوں معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ کو دیکھتے ہیں جنہوں نے تعطیل و تاویل کا خوب کام کیا۔ وہ بھی خوب دلائل دیتے تھے،قرآن پڑھ پڑھ کر سناتے تھے،سنت وحدیث اور اقوال صحابہ کی بجائے قرآن کی تفسیر اپنی تاویلوں سے کرتے تھے،تاریخ کی روایتیں پیش کرتے تھے جو ان کے ذاتی حاصل کردہ نتائج تھے۔قرآن اور تاریخ کے سیاق میں بہت سی تاویلوں کی گنجائشیں نکلتی ہیں،ان تاویلوں کی بنیاد پر ہی وہ راہ راست سے ہٹے تھے۔حالانکہ وہ بہت زیادہ قرآن و تاریخ کو پیش کرتے تھے۔کیا آج بھی انکار حدیث کے فتنوں کا یہی انداز نہیں؟

آیئے! نبوی منہج دعوت و جہاد کو اپنائیں:

لہٰذا فلسفے اختیار نہ کیجیے بلکہ ''محجةُ البیضاء'' پر چلنے کی کوشش کیجیے۔ نبی اکرمﷺ نے عقیدہ کی دعوت دی اور اللہ کی دی ہوئی راہ نمائی کے ساتھ لوگوں کی تربیت کی۔ پورا اسلام ان کو سکھایا۔انہوں نے پورے دین پر عمل کیا۔ہمیں بھی چاہیے کہ محض چند چیزوں کو خاص کر کے اپنی عقل اور پسند کے مطابق قبول نہ کریں اور نہ ہی اپنی عقل اور پسند سے کسی چیز کو معطل کریں جیسے بہت سے گروہوں نے جہاد و قتال کو چھوڑ کر اس کے بغیر ہی اپنی راہیں تجویز کی ہیں اور جہاد و قتال کی تاویلیں کر کے فلسفے بیان کیے ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

جماعۃ الدعوۃ کے بارے میں بعض لوگ یہ پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ یہ صرف جہاد کی بات کرتے ہیں اور باقی ہر چیز کو انہوں نے چھوڑ رکھا ہے۔

یہ بات بالکل غلط ہے۔ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے وہاں اسے چھوڑنا غلط ہے۔صرف اپنے فلسفوں اور خود ساختہ ڈھانچوں کی وجہ سے جہاد کو معطل کرنا کسی طور پر صحیح نہیں ہے۔آج کتنے مسلمان مظلوم ہیں۔ہم ان کے پڑوس میں رہ کر اور باوجود اس بات کے کہ ہم جہاد میں ان کا ساتھ دے سکتے ہیں محض اس وجہ سے جہاد نہیں کرتے کہ ابھی ہمارے پروگرام کے مطابق جہاد کا وقت نہیں آیا اور یہ کہ ہمارا جہاد مالی یا اخلاقی تعاون ہوسکتا ہے اور ہمیں صرف مدارس،تعلیم اور دعوت تک ہی محدود رہنا چاہیے، یہ نکتہ نظر قطعی طور پر غلط ہے۔

واضح حل کیا ہے؟:

آپ نے سمجھا کہ مسلمان مغلوب ہو کر اپنا سب کچھ گنوا بیٹھے ہیں۔ آج مسلمان بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ ان کے ملک اور حکومتیں بھی ہیں، ان کے پاس وسائل بھی ہیں اور ان کے پاس قرآن وحدیث موجود ہے۔ ان کے مدارس، مساجد اور اداروں کی کوئی حد نہیں۔ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ مسلمان تمام وسائل رکھنے کے باوجود مغلوبیت اور ذلت کی زندگی بسر کر رہے ہیں؟ ان کی منتخب حکومتیں کفر کی نمائندہ کیوں بنی ہوئی ہیں؟ ان کی اسمبلیوں میں کفریہ قوانین کیوں وضع کیے جا رہے ہیں؟ ان کے ہر ادارے پر طاغوتی نظام کیوں مسلط ہیں؟ ہم یہ واضح کرتے ہیں کہ استعماری نظام اور مسلم قائدین کے خود ساختہ فلسفی نظریوں کی وجہ سے امت مسلمہ پر مصیبتیں آئی ہیں، یہ ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئے ہیں، جمہوری نظام نے انہیں خلافت کی راہ سے ہٹا دیا ہے اور جہاد چھوڑ کر ذلیل ہو گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

«إِذَا تَبَايَعْتُم بِالْعِينَةِ وَ أَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِيتُم بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ، سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ»[1]

”میری امت کے لوگو! جب تم سودی کاروبار کرو گے، کھیتی باڑی میں مشغول ہو جاؤ گے اور جہاد کو چھوڑ دو گے تو اللہ تم پر ذلت مسلط کر دے گا۔ یہ ذلت کبھی ختم نہیں ہو گی جب تک تم دین کی طرف نہ لوٹ آؤ۔“

ہمیں اصلاح کی خاطر اس دین کی طرف بلایا جا رہا ہے جو دین محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں۔ خود ساختہ نظاموں اور فلسفوں کی طرف ...... اس کی واضح شکل یہ ہے کہ ہم توحید کی دعوت کو عام کریں، سنت کے رنگ کو نمایاں کریں اور ہر معاملے میں کتاب وسنت پر تمسک کریں۔ ہماری نظر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ وخلفاء کے طرز عمل کی طرف رہنی چاہیے۔ الگ الگ ٹکڑے اور فرقے بن کر مسلمان عزت حاصل نہیں کر سکتے۔ ہمارے جمع ہونے کی بنیاد کتاب وسنت ہے۔ اگر ہمارا یہ منہج رہے گا تو ہمیں صحیح راہ نمائی ملتی رہے گی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک جماعت قائم کی تھی۔ ہم بھی اگر کتاب وسنت پر تمسک کریں گے، تاویلوں اور فلسفوں سے باز رہیں گے تو ایک جماعت اور ایک قوت بن کر آگے بڑھ سکیں گے۔

ڈاکٹر اسرار صاحب کا فلسفۂ خلافت:

ڈاکٹر صاحب نے خلافت کے احیاء کا نعرہ لگایا ہے۔ نعرہ اس حد تک درست ہے کہ یہ بات عامۃ الناس کو سمجھائی جائے کہ اسلام کی سیاست جمہوریت نہیں بلکہ خلافت ہے جیسے نبی اکرم ﷺ کے بعد صحابہ نے خلافت کو قائم کیا اور اللہ کے نبی ﷺ اپنی امت کو خلافت کی سیاست دے کر گئے۔ آج جس طرح مسلمانوں نے اسلامی اقتصادیات کو چھوڑا اور معاشرتی طور پر غیر اسلامی رسوم کو مانا، اسی طرح سیاست میں خلافت کا راستہ چھوڑ کر جمہوریت، فسطائیت اور آمریت کی گمراہیوں کی طرف چلے گئے...... خلافت الگ سے قائم نہیں ہو گی اور نہ ہی کسی خاص ملک کے اندر اس ملک کے مخصوص حالات کے مطابق ایک خاص ڈھانچے کے تحت قائم کر سکیں گے اور نہ کوئی خاص فلسفہ اس کے لیے کارگر ہو گا۔ بلکہ اسلام کے ہمہ گیر دین کے لیے ہمہ گیر تحریک کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے آپ کو حالات پر بھی نظر

رکھنا ہوگی لیکن اصل کام اسلام کی نبوی تعبیر کو قائم رکھنا ہے۔ مثلاً آپ نے خلافت کا نام تو لیا لیکن آپ نے جہاد کو معطل کیا جو کہ خلافت کے قیام کے لیے بنیادی چیز ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ خلافت کے احیاء کی تحریک ۱۵ ویں صدی کے آغاز میں افغان جہاد سے جاری ہو چکی ہے اور یہ تحریک پوری دنیا میں پھیل رہی ہے، لوگ اپنی اصلاح کی طرف بھی آمادہ ہو رہے ہیں، ایک دوسرے کے قریب آ رہے ہیں، باہمی تعاون اور قربانیوں کا ماحول پیدا ہو رہا ہے اس میں ایک عرصہ لگے گا، زبردست معرکے اور مقابلے ہوں گے، مسلمان اپنی اصلاح کریں گے اور اللہ کی مدد آئے گی، تب یہ وقت ہوگا کہ مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو۔

ترک جہاد کا وبال:

پچھلی صدی ساری کی ساری جہاد و قتال سے خالی گزری ہے۔ اگرچہ تعلیمی اور سیاسی ادارے کام کرتے رہے ہیں لیکن یہ کفر کی یلغار کا دفاع نہ کر سکے۔

یاد رکھو! جتنا گند آپ کو اپنے معاشرے، اپنے ماحول کے اندر نظر آتا ہے، سارے کا سارا گزشتہ صدی کا آیا ہوا ہے کہ جب جہاد و قتال بند ہوا، اس دور کے اندر یہ سارے کا سارا فلسفہ آپ کے سامنے آیا، اب وہ پل کر جوان ہو گیا ہے۔ اب آپ نے اس کی کارستانیاں اس کی کارروائیاں اپنے ماحول اور اپنے معاشرے میں دیکھ لی ہیں۔ یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اور اللہ نے خود یہ تحریک اٹھائی ہے۔

افغانستان کے اندر جب روس کے خلاف جہاد جاری تھا، یقین کیجیے دنیا بھر سے درد دل رکھنے والے، قربانیاں دینے والے لوگ بے پناہ خرچ کر کے یہاں پہنچے۔ آپ کہیں گے کہ وہاں تو امریکہ نے بڑا اسلحہ دیا تھا، اللہ اپنا کام فاسقوں سے لے لیتا ہے، اللہ جس سے چاہے کام لے لے۔ ہم بات کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے لیے کوئی لائن سمجھ میں آ جائے۔ ایک راستہ اور ایک طریق اور ایک منہج دوٹوک ہماری سمجھ میں آئے جس سے کوئی نتیجہ نکل سکتا ہو، جو فلسفہ نہ ہو کہ تخیلات کی وادیوں میں ہم گھومتے رہیں اور کولہو کے بیل کی طرح چکر لگاتے رہیں۔ تو میں افغانستان کے جہاد میں آپ کو اپنا مشاہدہ بتاتا ہوں کہ ایک چھاؤنی میں خود پہنچا اور جا کر لوگوں کو شمار کیا، آپ یقین کیجیے ایک چھاؤنی کے اندر چھتیس ملکوں کے مسلمان جہاد کے لیے تیاری کر رہے تھے، جب انہوں نے یہ چیز سنی اور سمجھی کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں جہاد کا دروازہ کھول دیا ہے۔ وہ لوگ لپکے، ان کے اخلاص اور قربانیوں کا اللہ تعالیٰ نے ان کو نتیجہ دیا ہے۔ ان چھتیس ملکوں کے مجاہدین کو اخباروں نے نہیں چھاپا۔ ان کو آپ لوگ نہیں جانتے لیکن میں یہ یقین سے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے روس کا رخ جو پھیرا ہے جو دنیا میں سب سے بڑا باغی اور اللہ کا دشمن تھا، وہ ذلیل و رسوا ہوا ہے تو وہ صرف اللہ نے ان مخلصین کی محنتوں اور قربانیوں کا صلہ دیا ہے۔

افغان جہاد کے ثمرات اور پروپیگنڈہ مہم:

آپ چھوڑ دیجیے کہ اندر اس وقت کیا ہو رہا ہے؟ یہ پروپیگنڈہ ہے اور اس لیے کیا جا رہا ہے تاکہ آپ کا رخ اس کی طرف نہ ہو جائے، آپ کے اموال اور آپ کے افراد کا رخ اس کی طرف نہ ہو جائے۔ دیکھئے افغانستان میں یہ ہو چکا، کشمیر میں بھی یہ ہونے والا ہے اور دوسری جگہوں پر بھی یہی ہوگا۔ لوگوں کے ذہن تیار کیے جا رہے ہیں۔ پراپیگنڈہ کر کے آپ کو اس راستے سے روکا جا رہا ہے۔ آپ کی

صحافت بھی امریکہ کے کنٹرول میں ہے اور آپ کے پروپیگنڈے کے سارے وسائل مغرب کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ اس طریقے سے اس کو کنٹرول کیے ہوئے ہے کہ وہ آپ کے کان میں وہ آواز نہیں آنے دینا چاہتے جو انہیں پسند نہیں اس لیے کہ افغانستان کے جہاد نے پوری دنیا کو متاثر کیا ہے اور پورے نظام کو تبدیل کیا۔

جہاد کے میدان میں ہمارا تجربہ:

اللہ کی توفیق کے ساتھ ہم نے بھی کچھ کام کیا اور اس کے نتائج کو ہم نے دیکھا۔ اس کے نتائج میں سب سے بنیادی نتیجہ کارکنان کی تیاری ہے کہ جتنے کارکنان مخلص ہوں گے، جتنے وہ لالچ سے دور ہوں گے، جس قدر ان کا یقین پختہ ہوگا، اس قدر وہ آگے بڑھتے چلے جائیں گے اور آپ کی تحریک آگے بڑھتی چلی جائے گی۔ اگر آپ چاہیں کہ آپ کی کتابوں، آپ کے لٹریچر کے ذریعے تحریک ترقی کرے، یقین کیجیے کہ لٹریچر ہمارے لیے اللہ کی کتاب اور نبی ﷺ کی سنت پر لکھی ہوئی حدیثیں ہی کافی ہیں، ان کی بنیاد پر ہمیں کارکن تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں فلسفے کی کتابیں لکھنے کی ضرورت نہیں، ہم ان پر محنتیں نہ کریں۔ جوڑ جوڑ کر لائبریریاں ہم نے کتنی بنالیں اور ہزاروں میں نہیں، کروڑوں کی تعداد میں کتابیں آ چکی ہیں۔ جتنی کتابیں زیادہ، اتنے افکار بھی زیادہ آ چکے ہیں، جتنے افکار زیادہ آئے ہیں، اسی قدر تشکیک بڑھتی چلی گئی ہے اور مسلمانوں کی یقین اور ایمان کی کیفیت کمزور ہوتی چلی گئی ہے۔ ہم نے جہاد کے اندر، اللہ کے فضل وکرم سے، اس جہادی میدان میں جو نوجوان تیار ہوئے، ان کے اخلاق بھی بدلے اور ان کے ذہن بھی بدلے، ان کے عقائد تبدیل ہوئے اور سب سے بڑھ کر ان کے اندر قربانی کا وہ جذبہ پیدا ہوا جو کسی اور طریقے سے ہم پیدا نہ کر سکے۔ تو یہ تبدیلی میرے نزدیک سب سے بڑی تبدیلی ہے۔

مکی دور اور جہاد کے فرار کا بہانہ:

اگر ہم اس جہاد جیسے اہم فریضہ سے اس لیے فرار حاصل کرنا چاہیں کہ جی ابھی تو ہم مکی دور میں ہیں تو بھائی مکے میں تو باجماعت نماز ہی نہیں ہوتی تھی لہٰذا پھر تو ہمیں باجماعت نماز بھی نہیں پڑھنی چاہیے۔ اسی طرح روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ کے کتنے احکام مدنی دور میں فرض ہوئے تو پھر صرف جہاد سے انکار کیوں؟

خلافت کے قیام کیلئے دین کی مرحلہ وار تقسیم قرآن وحدیث سے ثابت نہیں:

آج اللہ کے فضل سے ہمارے پاس دین مکمل ہے۔ اس مکمل دین کو لے کر چلنا ہے، اس میں دعوت بھی ہے، اس میں تعلیم بھی ہے، اس میں جہاد بھی ہے، قتال بھی ہے لیکن اب یہ نافذ ہوگا کیسے؟ بجائے اس کے کہ ہم ان کی مرحلہ وار تقسیم کریں کہ اتنے سال ہم دعوت دیں گے، اتنے سال ہم مار کھائیں گے اور اتنے سال پھر آگے ماریں گے اور پھر اس کا عملاً غلبہ ہوگا۔ میرے بھائیو! یہ بات کم از کم مجھے قرآن وحدیث میں کہیں نظر نہیں آئی البتہ جو میں سمجھا ہوں، قرآن مجید کی دو آیتیں اس کے لیے بڑی خاص ہیں:

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ [1]

”پس تم اللہ سے ڈرو جتنی تم میں طاقت ہے۔“

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾[2]

”اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت و وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔“

آپ کسی کام کے لیے اپنی وسعت اور استطاعت کے اعتبار سے مکلّف ہوتے ہیں جس چیز کی طاقت آپ میں ہے، وہ کام کیجیے اور جس چیز کی طاقت آپ میں نہیں ہے، اس چیز کے لیے طاقت کا حصول اختیار کیجیے۔ یہ نہیں ہے کہ آپ کسی چیز کو معطل کر کے چھوڑ دیں یا کسی چیز کو مؤخر کر دیں۔ تقدیم و تاخیر اور تعطیل کا اختیار آپ کو نہیں ہے۔ یقین کیجیے امت مسلمہ میں معتزلہ کا فرقہ جہمیہ وہ فرقہ تھا جس نے عقائد کا ستیاناس کر دیا اور یہی لوگ تھے جو شریعت میں تعطیل کا ذہن دے رہے تھے۔ معطلہ اس فرقہ کو کہتے ہیں کہ وہ دین میں سب چیزوں کو معطل کرتے چلے جا رہے تھے، تعطیل کا نظام پیش کر رہے تھے اور تقدیم و تاخیر کا سلسلہ بھی کر رہے تھے۔ یہ جہمیہ، معتزلہ وہ گمراہ فرقے ہیں جنھوں نے مسلمانوں کی سمت کو تبدیل کر دیا اور ان کی محنتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ تا تاری آئے تو انہوں نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم تاویلیں نہ کریں، تعطیل اور تقدیم و تاخیر کا اختیار ہمیں نہیں ہے۔ شریعت مکمل ہے اور ساری ہم پر فرض ہے، کوئی چیز اس سے معطل نہیں۔ تو اس لیے اصول یہ ہے کہ آپ جس چیز کی استطاعت رکھتے ہیں وہ قائم کیجیے، دعوت و تبلیغ کی استطاعت آپ میں ہے تو کیجیے:

« مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ، فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ، فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ، وَ ذَالِكَ أَضْعَفُ الْاِيْمَانِ **اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا:** وَ لَيْسَ وَرَاءَ ذَالِكَ حَبَّةُ خَرْدَلٍ مِّنَ الْاِيْمَانِ »[1]

”تم میں سے جو کسی برائی کو دیکھے اور آگے بڑھ کر قوت سے روک سکتا ہے تو وہ اسے ہاتھ سے روکے، نہیں روک سکتا تو زبان سے روکے، اگر زبان سے بھی نہیں روک سکتا تو دل میں برا جانے اور دوسری روایت میں ہے کہ اس سے نیچے تو ذرہ بھر ایمان بھی نہیں ہے۔“

جہاں تک ہو سکے جہاد کی تیاری بھی کریں:

اس طریق سے جہاد کی استطاعت آپ میں ہے تو کیجیے اور اگر استطاعت نہیں ہے تو اللہ کا حکم سورۃ الانفال میں موجود ہے:

﴿ وَ أَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ ﴾[2]

”اور ان کے خلاف جس حد تک ہو سکے اپنی قوت (کو جمع کر کے) تیاری کرو۔“

تم جہاد و قتال کی خاطر قوت جمع کرنے کے لیے، جنگی وسائل جمع کرنے کے لیے، عسکری تیاری کے اعتبار سے اور اپنے گھوڑے، اپنی سواریاں جمع کرنے کے اعتبار سے جتنی طاقت کی استطاعت ہے، لگا دو اور لگانے کے بعد توکل اللہ پر کرو۔ میدان میں کھڑے ہو جاؤ، نصرتیں اللہ کی طرف سے اتریں گی۔ ہمارے لیے ایسے نظام ہوں، ٹریننگ سنٹر ہوں، معسکرات ہوں۔ میں یقین سے کہتا ہوں افغانستان

کے جہاد نے ہمارے لیے معسکرات پیدا کیے ہیں۔ آج اس وقت ہمارے پاس ٹریننگ سینٹر موجود ہیں کہ جن ٹریننگ سنٹروں میں اس وقت وہ لوگ تیاری کر رہے ہیں جو بوسنیا میں جا کر جہاد کرتے ہیں، ہمارے ٹریننگ سنٹروں میں وہ لوگ تیاری کرتے ہیں جو فلپائن میں جا کر جہاد کرتے ہیں، اس وقت اریٹیریا میں جا کر جہاد کرتے ہیں۔ کشمیر کے اندر جا کر جہاد کرتے ہیں۔

استطاعت ہمارے پاس موجود ہے پھر اگر ہم اس کی طرف نہیں بڑھتے تو ہم گنہگار ہیں، اللہ کی شریعت کا انکار کرتے ہیں۔ یہی وہ چیز ہے جس کا وبال ہم پر پڑ رہا ہے۔ خواہ ہم زبان سے نہ بھی اعتراف کریں لیکن ہمارا دل ان باتوں کو نہیں مانتا۔

موجودہ ذلتوں کا سبب آخر کیا ہے؟:

سچی بات ہے کہ ہم نے جہاد کو ایک عرصے سے معطل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سزا دی کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا کہ جب تم سودی کاروبار میں پڑ جاؤ گے، بیلوں کی دمیں پکڑ کے کھیتی باڑی کرنے (دنیاداری) میں پڑ جاؤ گے، جہاد کو چھوڑ دو گے، تو اللہ تعالیٰ کی ذلت تم پر مسلط ہو جائے گی۔ فرمایا:

((لَا یَنْزِعُهٗ حَتّٰی تَرْجِعُوْا اِلٰی دِیْنِكُمْ))[1]

''یہ ذلت کبھی ختم نہ ہوگی جب تک تم اپنے دین کی طرف نہ لوٹ آؤ۔''

وہ ذلت کبھی ختم نہیں ہوگی، کسی اصول سے، کسی طرح سے، کسی محنت سے، وہ ذلت ختم نہیں ہوگی: ((حَتّٰی تَرْجِعُوْا اِلٰی دِیْنِكُمْ)) یہاں دین جہاد کو کہا گیا ہے کہ جب تم اس کی طرف لوٹو گے تو ذلت ختم ہو جائے گی۔ میرے بھائی! افغانستان کے کچھ مجاہدین امریکہ میں پہنچے تھے تو اخباروں نے لکھا تھا کہ یہ ٹوپیوں اور جیکٹوں والے افغانی مجاہد جب بازار میں آئے تھے، ان کو دیکھنے کے لیے لوگ جوق در جوق آ رہے تھے کہ وہ کون لوگ ہیں، جنہوں نے روس کو بھگا دیا'' ...... یہ عزتیں اور عظمتیں جہاد کی برکتوں سے ہی ہیں۔ تعلیمی ادارے تو ماشاء اللہ چل رہے ہیں، وعظ وارشاد کے ادارے تو چل رہے ہیں۔ ایک سو سال سے نہیں، کتنے سو سال سے چل رہے ہیں۔ ہندوستان جہاں کروڑوں مسلمان غلام ہیں اور وہاں ان کی عورتیں ذلت کا عذاب سہ رہی ہیں، وہاں دیوبند بھی کام کر رہا ہے اور بابری مسجد بھی شہید ہو گئی ہے۔ اگر یہ تعلیمی ادارے ہمارے یہ شعائر بچانے والے ہوتے تو بابری مسجد کبھی شہید نہ ہوتی۔ اللہ مجھے اور آپ کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!!

❀ ...... ❀ ...... ❀

والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کا مسئلہ

''والدین کی اجازت کے بغیر جہاد جائز نہیں'' یہ ہے وہ فتویٰ جو مسلمانوں کی سرزمین پر کفار کے غاصبانہ تسلط اور ان کے ہاتھوں مسلمانوں کے مال و جان اور عزت و آبرو کی مسلسل بربادی کے باوجود بعض علماء کرام شائع فرما رہے ہیں۔ اس لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ کیا واقعی ماں باپ کی اجازت کے بغیر جہاد کسی صورت میں بھی جائز نہیں؟

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ والدین سے حسن سلوک فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی بندگی کی تاکید کے بعد والدین سے احسان کا حکم دیا ہے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں جانے کے لیے اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کو والدین کی خدمت کی تلقین فرمائی اور بعض کو والدین کی اجازت کے بعد جہاد پر جانے کا حکم دیا۔

ان احادیث سے ظاہر ہے کہ والدین کی اجازت کے بغیر جہاد پر جانا جائز نہیں مگر قرآن و سنت کی دیگر نصوص اور علمائے امت کی تشریحات پر نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کی ہر صورت کے لیے والدین سے اجازت کی ضرورت نہیں۔ بلکہ بعض ایسے حالات بھی ہیں کہ ان کے منع کرنے کے باوجود جہاد پر جانا فرض ہے۔ اگر کوئی صاحب اپنے مطلب کی چند آیات و احادیث بیان کر کے دوسری آیات و احادیث کو چھوڑ ہی دیں اور شارحین حدیث کی عبارات آدھی نقل کر کے آدھی کا ذکر ہی نہ کریں تو وہ یقیناً ثابت کر سکتے ہیں کہ والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ گزشتہ دنوں ایک ہفت روزہ میں بعض علمائے کرام نے یہی کار خیر سرانجام دیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث نقل کی ہے جس کا ترجمہ ان کے الفاظ میں یہ ہے کہ ''ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور جہاد کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟'' اس نے کہا ''ہاں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا...... ''جا اپنے والدین کی خدمت کا جہاد کر۔'' اس کے بعد لکھتے ہیں:

اس حدیث کے حاشیہ نمبر ۹ میں درج ہے:

'' وَ فِیْ الْفَتْحِ قَالَ جُمْهُوْرُ الْعُلَمَاءِ وَيَحْرُمُ الْجِهَادُ اِذَا مَنَعَ الْاَبَوَانِ اَوْ أَحَدُهُمَا۔ ''

''یعنی فتح الباری شرح بخاری میں ہے کہ جمہور علمائے کرام کا فتویٰ ہے کہ اگر والدین یا ان میں سے ایک منع کرے تو جہاد حرام

ہو جاتا ہے۔‘‘

صحیح مسلم سے ایک اور حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

’’اس حدیث کی شرح میں امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

” فِيهِ حُجَّةٌ لِّمَا قَالَ الْعُلَمَاءُ أَنَّهٗ لَا يَجُوزُ الْجِهَادُ إِلَّا بِإِذْنِهِمَا إِذَا كَانَ مُسْلِمَيْنِ اَوْ بِإِذْنِ الْمُسْلِمِ مِنْهُمَا۔ “ ①

’’یعنی یہ حدیث ان علماء کی دلیل ہے جو فتویٰ دیتے ہیں کہ والدین کی اجازت کے بغیر جہاد جائز نہیں جبکہ دونوں والدین مسلمان ہوں۔‘‘

بخاری و مسلم کی صحیح احادیث اور ان کی تشریح میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور امام نووی رحمہ اللہ کی عبارات کے بعد والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کے حرام ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔‘‘

مگر افسوس عالم مذکور نے دونوں حوالوں میں پوری عبارت نقل نہیں کی۔ اگر وہ پوری عبارت نقل کرتے تو والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کی ہر صورت ہرگز حرام نہ ہوتی۔ صحیح بخاری کا مکمل حاشیہ یہ ہے:

« وَ فِي الْفَتْحِ قَالَ جُمْهُورُ الْعُلَمَاءِ وَ يَحْرُمُ الْجِهَادُ إِذَا مَنَعَ الْأَبَوَانِ أَوْ اَحَدُ هُمَا بِشَرْطٍ أَنْ يَّكُونَا مُسْلِمَيْنِ لِأَنَّ بِرَّهُمَا فَرْضُ عَيْنٍ وَالْجِهَادُ فَرْضُ كِفَايَةٍ فَإِذَا تَعَيَّنَ الْجِهَادُ فَلَا إِذْنَ » ①

’’یعنی فتح الباری میں ہے کہ جمہور علماء نے فرمایا، ماں باپ دونوں یا ان میں سے ایک منع کر دے تو جہاد حرام ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ مسلم ہوں کیونکہ ان کے ساتھ نیکی کرنا فرض عین ہے اور جہاد فرض کفایہ ہے، البتہ جب جہاد فرض عین ہو جائے تو اجازت کی کوئی ضرورت نہیں۔‘‘

اور امام نووی رحمہ اللہ کی عبارت یہ ہے:

« وَ فِيهِ حُجَّةٌ لِمَا قَالَهُ الْعُلَمَاءُ أَنَّهٗ لَا يَجُوزُ الْجِهَادُ إِلَّا بِإِذْنِهِمَا إِذَا كَانَ مُسْلِمَيْنِ أَوْ بِإِذْنِ الْمُسْلِمِ مِنْهُمَا فَلَوْ كَانَا مُشْرِكَيْنِ لَمْ يَشْتَرِطْ إِذْنَهُمَا عِنْدَ الشَّافِعِيِّ وَ مَنْ وَّافَقَهٗ وَ شَرَطَهُ الثَّوْرِيُّ هَذَا كُلُّهٗ إِذَا لَمْ يَحْضَرِ الصَّفَّ وَيَتَعَيَّنَ الْقِتَالُ » ②

’’یعنی اس حدیث میں ان علماء کے قول کی دلیل ہے کہ والدین دونوں مسلم ہوں یا ان میں سے ایک مسلم ہو تو ان کی اجازت کے بغیر جہاد جائز نہیں۔ اگر وہ مشرک ہو تو امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے موافقین کے نزدیک ان کی اجازت شرط نہیں اور ثوری رحمہ اللہ نے یہ تمام شرطیں اس وقت لگائی ہیں جب صف میں حاضر نہ ہوا اور لڑائی فرض عین نہ ہوئی ہو۔‘‘

ان عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ والدین کی اجازت اس وقت ضروری ہے جب جہاد فرض کفایہ ہو کیونکہ والدین کی خدمت فرض

عین اور جہاد فرض کفایہ ہے لیکن جہاد فرض عین ہو جائے تو والدین سے اجازت نہیں لی جائے گی۔

«وَ يَشْهَدُ لَهُ مَا أَخْرَجَهُ ابْنُ حِبَّانَ مِنْ طَرِيقٍ أُخْرَى عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو جَاءَ رَجُلٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَسَأَلَهُ عَنْ أَفْضَلِ الْأَعْمَالِ قَالَ الصَّلٰوةُ قَالَ ثُمَّ مَا ذَا قَالَ الْجِهَادُ قَالَ فَإِنَّ لِي وَالِدَيْنِ فَقَالَ آمُرُكَ بِوَالِدَيْكَ خَيْرًا فَقَالَ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ نَبِيًّا لَأُجَاهِدَنَّ وَ لَأَتْرُكَنَّهُمَا قَالَ فَأَنْتَ أَعْلَمُ وَ هُوَ مَحْمُوْلٌ عَلٰى جِهَادِ فَرْضِ الْعَيْنِ تَوْفِيقًا بَيْنَ الْحَدِيْثَيْنِ»[1]

''یعنی اس بات کی شہادت (کہ جہاد فرض عین ہونے کی صورت میں والدین کی اجازت نہیں لی جائیگی) وہ حدیث دیتی ہے جو ابن حبان نے ایک دوسری سند سے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ہی روایت کی ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ سے سب سے افضل عمل کے متعلق سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''صلوٰۃ'' اس نے کہا پھر۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''جہاد'' اس نے کہا ''میرے والدین موجود ہیں'' آپ نے فرمایا ''میں تمہیں تمہارے والدین کے ساتھ بھلائی کا حکم دیتا ہوں۔'' اس نے کہا ''اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے! میں جہاد کروں گا اور والدین کو چھوڑ دوں گا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''تم بہتر جانتے ہو۔'' یہ حدیث فرض عین جہاد پر محمول ہے تاکہ دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق ہو جائے۔'' (فتح الباری کی عبارت ختم ہوئی)۔

(یہ حدیث الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان کی تیسری جلد میں نمبر ۱۷۱۹...... پر موجود ہے)

معلوم ہوا کہ والدین سے اجازت کے بعد جہاد کرنے اور ان کی اجازت کے بغیر جہاد کرنے کی حدیثوں میں کوئی مخالفت نہیں۔ دونوں حجت ہیں اور دونوں کا الگ الگ محل ہے۔ ایک جہاد فرض کفایہ ہونے کی صورت میں ہے، دوسری فرض عین ہونے کی صورت میں۔

اب آپ والدین کی اجازت کے بغیر کی ہر صورت کو ناجائز کہنے والے مولانا صاحب کا مزید فرمان ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

''ہمیں تحقیق بسیار کے بعد کوئی ایک روایت بھی نہیں ملی جس میں یہ ہو کہ نبی ﷺ نے والدین کی اجازت کو نظر انداز کر دیا ہو۔ اگر کوئی روایت ہو بھی تو اس کی کیا وقعت؟ بھلا صحاح ستہ کی متفق علیہ احادیث کا مقابلہ ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہم بخاری کا باب دہراتے ہیں:

«لَا يُجَاهِدُ إِلَّا بِإِذْنِ الْأَبَوَيْنِ»[1]

''والدین کی اجازت کے بغیر جہاد نہیں ہو سکتا۔'' عبارت ختم ہوئی۔

نبی کریم ﷺ کے بعض مواقع پر والدین کی اجازت کو نظر انداز کرنے کی روایت جو مولانا کو تحقیق بسیار کے باوجود نہیں ملی، آپ نے فتح الباری میں ابن حبان کے حوالے سے دیکھ لی۔ اس کی سند قابل حجت ہے۔ صحیح یا حسن حدیثوں کے درمیان تضاد ظاہر کر کے ٹھکرا دینا منکرین حدیث کا طریقہ ہے اور ان کے درمیان تطبیق دینا محدثین کا طریقہ ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تطبیق آپ نے ملاحظہ فرمالی۔

رہا بخاری کا باب ”والدین کی اجازت کے بغیر جہاد نہیں ہوسکتا“ تو مولانا صاحب نے اصح المطابع کی طبع کردہ صحیح بخاری کے جس صفحہ کا حوالہ دیا ہے اسی صفحہ ۸۸۳ جلد ۲ پر اس باب میں مذکور حدیث کے حاشیہ ۳ پر لکھا ہے:

« قَالَ الطِّيبِيُّ نَقْلًا عَنْ شَرْحِ السُّنَّةِ هٰذَا فِي جِهَادِ التَّطَوُّعِ لَا يَخْرُجُ إِلَّا بِإِذْنِ الْوَالِدَيْنِ إِذَا كَانَا مُسْلِمَيْنِ فَإِنْ كَانَ الْجِهَادُ فَرْضًا مُتَعَيِّنًا فَلَا حَاجَةَ إِلَى إِذْنِهِمَا وَ إِنْ مَنَعَاهُ عَصَاهُمَا » [1]

”یعنی طیبی نے شرح السنہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا، یہ جہاد تطوع (نفلی جہاد) میں ہے کہ والدین مسلم ہوں تو ان کی اجازت کے بغیر نہ نکلے۔ اگر جہاد فرض عین ہو تو ان کی اجازت کی ضرورت نہیں اور اگر وہ منع بھی کریں تو ان کی نافرمانی کرے۔“

فرض عین اور فرض کفایہ کا فرق:

« فَرْضُ عَيْنٍ هُوَالْفَرْضُ الَّذِي يَجِبُ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَفْعَلَهُ بِنَفْسِهِ كَالصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ »

”فرض عین وہ فرض ہے جو ہر مسلم کو خود کرنا واجب ہے، مثلاً صلاۃ وصوم۔“

« فَرْضُ الْكِفَايَةِ الَّذِي إِذَا قَامَ بِهِ مَن يَّكْفِي سَقَطَ عَنْ سَائِرِ النَّاسِ وَ إِن لَّمْ يَقُمْ بِهِ مَن يَّكْفِي أَثِمَ النَّاسُ كُلُّهُمْ فَالْخِطَابُ فِي إِبْتِدَائِهِ يَتَنَاوَلُ الْجَمِيعَ كَفَرْضِ الْأَعْيَانِ ثُمَّ يَخْتَلِفَانِ فِي أَنَّ فَرْضَ الْكِفَايَةِ يَسْقُطُ بِفِعْلِ الْبَعْضِ وَفَرْضُ الْأَعْيَانِ لَا يَسْقُطُ عَنْ اَحَدٍ بِفِعْلِ غَيْرِهِ » [2]

”فرض کفایہ وہ ہے جسے اتنے لوگ ادا کر دیں جو کافی ہیں تو باقی تمام لوگوں سے ساقط ہو جاتا ہے اور اگر اتنے لوگ ادا نہ کریں جو کافی ہوں تو تمام لوگ گناہ گار ہوتے ہیں۔ اس کا حکم شروع میں تمام لوگوں کو ہوتا ہے جس طرح فرض عین کا حکم تمام لوگوں کو ہوتا ہے، بعد میں دونوں کا فرق یہ ہے کہ فرض کفایہ کچھ لوگوں کے ادا کرنے سے باقی لوگوں سے معاف ہو جاتا ہے اور فرض عین کسی ایک کے ادا کرنے سے دوسرے سے معاف نہیں ہوتا۔“

علماء نے فرض کفایہ کی مثال جنازہ بیان فرمائی ہے کہ میت کا جنازہ اور کفن دفن تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اگر چند آدمی جو یہ کام سرانجام دے سکتے ہوں، ادا کر دیں تو باقی مسلمانوں سے فرض ساقط ہو گیا لیکن اگر کوئی بھی ادا نہ کرے یا اتنے لوگ جمع نہ ہوں جو یہ کام سرانجام دینے کے لیے کافی ہوں تو تمام مسلمان فرض ادا نہ کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوں گے۔

کفار سے جہاد، کب فرض کفایہ ہے اور کب فرض عین؟

فرض کفایہ کی صورت:

جب مسلمانوں کے تمام علاقے محفوظ ہوں اور کفار اس حال میں ہوں کہ وہ مسلمانوں کے ملک پر نہ حملہ آور ہوں نہ حملے کی کوئی تیاری کر رہے ہوں۔ اس وقت ان سے جہاد کرنا فرض کفایہ ہے۔ اگر اتنے مسلمان یہ فرض ادا کر رہے ہوں جن سے مسلمانوں کی سرحدیں محفوظ

ہوں، دشمن پر رعب قائم ہو اور سال کے مختلف وقتوں میں کفار کے علاقے پر لشکر کشی جاری رہتی ہو تو تمام مسلمانوں کا فرض ادا ہو گیا ورنہ حاکم اور تمام لوگ گناہ گار ہوں گے۔

فرض عین:

جب کفار مسلمانوں کے کسی علاقے میں داخل ہو جائیں یا کسی شہر پر حملہ آور ہوں تو اس شہر یا علاقے کے لوگوں پر اور ان کے قرب وجوار کے لوگوں پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ اسی صورت میں ہر شخص کو والدین کی اجازت کے بغیر اور ہر مقروض کو قرض خواہ کی اجازت کے بغیر نکلنا واجب ہے اور اس شہر کے لوگ دشمن کے مقابلے کے لیے کافی نہ ہوں تو مقابلے میں سستی یا کوتاہی کریں یا مقابلے کے لیے بالکل ہی نہ نکلیں تو یہ فرض عین دائرے کی طرح پھیلتا جائے گا اور قریب کے علاقوں پر بھی لڑنا فرض ہو جائے گا۔ اگر وہ بھی کافی نہ ہوں تو ان پر فرض ہو جائے گا جو ان کے قریب ہیں۔ یہاں تک کہ تمام روئے زمین کے مسلمانوں پر فرض ہو جائے گا۔

دشمن کے حملہ آور ہونے کے وقت جہاد فرض عین ہونے کے چند دلائل:

اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں فرمایا:

﴿ اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ وَ اَنۡفُسِكُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ‌ؕ ذٰ لِكُمۡ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴾[1]

”نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔“

اس آیت سے پہلی آیات میں فرمایا اگر تم نہیں نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔ ظاہر ہے دردناک عذاب کی وعید اسی لیے ہے کہ ان پر نکلنا فرض تھا۔ جو لوگ اجازت لے کر پیچھے رہ گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو بھی تنبیہ فرما دی کہ آپ نے انہیں اجازت کیوں دی بلکہ فرمایا کہ مومن جہاد سے پیچھے رہنے کے لیے اجازت مانگتے ہی نہیں، یہ صرف منافقین کا کام ہے۔ ہاں کسی کا حقیقی عذر ہو مثلاً کمزور ہو، بیمار ہو یا اس کے لیے جانے کی ضروریات کا انتظام نہ ہو سکا ہو تو ان پر کوئی جرم نہیں بشرطیکہ وہ دل سے جہاد کے لیے مخلص اور خیر خواہ ہوں۔ تین مخلص مسلمان جو بلا عذر پیچھے رہ گئے تھے، ان کو بائیکاٹ کی سخت سزا سنائی گئی۔

اس نفیر عام (سب کے نکلنے) کے حکم کا سبب یہ تھا کہ غزوۂ تبوک کے سال مسلمانوں کے سننے میں یہ بات آئی کہ رومی جزیرۂ عرب کی سرحد مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے فوجیں جمع کر رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے نفیر عام کا حکم دے دیا کہ نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل، جوان ہو یا ادھیڑ عمر، خوشحال ہو یا تنگ دست، طبیعت میں نشاط ہے یا ناگواری۔

دیکھئے! دشمن ابھی اسلامی سرزمین میں داخل نہیں ہوا تھا صرف داخل ہونے کی تیاری میں تھا کہ شدید ترین موسم میں سب کو نکلنے کا حکم دے دیا گیا۔ تو جب کفار مسلمانوں کی لاکھوں مربع میل اراضی پر قابض ہو چکا ہو اور انہیں مسلسل تہ تیغ کر رہا ہو تو کیا سب کا نکلنا فرض نہیں ہو گا؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ إِنِ اسۡتَنۡصَرُوۡكُمۡ فِي الدِّيۡنِ فَعَلَيۡكُمُ النَّصۡرُ ﴾[1]

''اور اگر وہ تم سے دین کے بارہ میں مدد طلب کریں تو تم پر مدد کرنا لازم ہے۔''

اور احادیث میں ہے:

((عَنِ ابۡنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَلۡمُسۡلِمُ أَخُو الۡمُسۡلِمِ، لَا يَظۡلِمُهٗ وَ لَا يُسۡلِمُهٗ))[2]

''ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے دشمن کے سپرد کرتا ہے۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

((اَلۡمُسۡلِمُ أَخُو الۡمُسۡلِمِ لَا يَظۡلِمُهٗ وَلَا يَخۡذُلُهٗ))[3]

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اس کی مدد چھوڑتا ہے۔''

اب آپ غور فرمائیں کہ کروڑوں مسلمان کفار کے پنجے میں گرفتار ہیں اور مسلمان ہونے کے جرم میں ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوئے اپنے مسلمان بھائیوں کو مدد کے لیے پکار رہے ہیں تو کیا ہم والدین سے اجازت لے کر انہیں ظلم سے نجات دلائیں گے؟ اور اگر والدین اجازت نہ دیں تو انہیں کفار کے سپرد کیے رکھیں گے کہ وہ ان کے دین پر پابندیاں لگائے رکھیں، انہیں ذبح کرتے رہیں اور ان کی عزتیں لوٹتے رہیں؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ''مجموع الفتاویٰ : ۳۵۸/۲۸'' میں فرمایا:

جب دشمن مسلمانوں پر حملہ کا ارادہ کرے تو اس کا دفاع ان سب پر لازم ہے جن پر حملہ کا ارادہ ہو اور ان پر بھی لازم ہے جن پر حملہ کا ارادہ نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ إِنِ اسۡتَنۡصَرُوۡكُمۡ فِي الدِّيۡنِ فَعَلَيۡكُمُ النَّصۡرُ ﴾[1]

''اگر وہ تم سے دین کے بارہ میں مدد مانگیں تو تم پر مدد کرنا لازم ہے۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے بھی مسلمان کی مدد کا حکم دیا ہے خواہ آدمی باقاعدہ فوج میں ملازم ہو یا نہ ہو، ہر ایک پر اس کی طاقت کے مطابق فرض ہے کہ اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد کرے۔ پیدل جا سکے یا سوار ہو کر، اس کے پاس وسائل کم ہوں یا زیادہ جیسا کہ خندق کے موقع پر جب دشمن نے حملے کا ارادہ کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے جہاد ترک کرنے کی اجازت کسی کو نہیں دی تھی۔

﴿ وَ قَاتِلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ كَآفَّةً ﴾[2]

''اور مشرکوں سے سب مل کر لڑو جس طرح وہ سب تم سے لڑتے ہیں۔''

اس وقت تمام دنیا کے کفار مسلمانوں سے کسی نہ کسی انداز میں برسرِ پیکار ہیں، اس لیے تمام مسلمانوں پر ان سے لڑنا فرض ہے:

﴿ وَ قَاتِلُوۡهُمۡ حَتّٰی لَا تَکُوۡنَ فِتۡنَۃٌ وَّ یَکُوۡنَ الدِّیۡنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ ﴾ [3]

''تم ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور دین سارے کا سارا اللہ کے لیے ہو جائے۔''

کفار کے قبضے کی صورت میں وہاں کے تمام مسلمان فتنے کی زد میں ہیں، ان کا قبضہ دور کرنے تک لڑتے رہنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا خُذُوۡا حِذۡرَکُمۡ فَانۡفِرُوۡا ثُبَاتٍ اَوِ انۡفِرُوۡا جَمِیۡعًا ﴾ [4]

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو پکڑو اپنا بچاؤ پس نکلو جتھوں کی صورت میں یا نکلو سب اکٹھے ہو کر۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو اپنے بچاؤ کے لیے نکلنا فرض ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنۡ قُتِلَ دُوۡنَ مَالِہٖ فَھُوَ شَھِیۡدٌ، وَ مَنۡ قُتِلَ دُوۡنَ دِیۡنِہٖ فَھُوَ شَھِیۡدٌ، وَ مَنۡ قُتِلَ دُوۡنَ دَمِہٖ فَھُوَ شَھِیۡدٌ، وَ مَنۡ قُتِلَ دُوۡنَ اَھۡلِہٖ فَھُوَ شَھِیۡدٌ)) [1]

''جو شخص اپنے مال کے بچاؤ میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے، جو شخص اپنے دین کے بچاؤ میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے، جو شخص اپنے خون کے بچاؤ میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے، جو شخص اپنے اہل کے بچاؤ میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔''

جب اپنے مال، خون، دین اور اہل کے بچاؤ کے لیے لڑنا واجب ہے اور اس دفاع میں قتل ہونا شہادت ہے خواہ حملہ آور مسلم ہی ہوں تو حملہ آور کفار سے مسلمانوں کے خون، مال، دین اور اہل کا دفاع کیوں فرض نہیں ہوگا۔

کیا اپنے مال، خون، دین اور اہل وعیال کے بچاؤ کے لیے بھی ماں باپ کی اجازت لی جائے گی؟ کیا اگر کسی کے گھر کو آگ لگ جائے یا اس کے پڑوسی کے گھر کو آگ لگ جائے تو کیا والدین سے اجازت لے کر بجھائی جائے گی؟ ہرگز نہیں بلکہ ماں باپ منع بھی کرتے رہیں تو ان کی بات نہیں مانی جائے گی کیونکہ ان کی بات ماننا اللہ کی نافرمانی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا طَاعَۃَ لِمَخۡلُوۡقٍ فِیۡ مَعۡصِیَۃِ اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ)) [2]

''اللہ عزوجل کی نافرمانی میں مخلوق کی بات نہیں مانی جائے گی۔''

اگر والدین اذان ہونے کے بعد نماز پڑھنے سے منع کریں تو کیا نماز چھوڑ دی جائے گی اور کیا ان کے منع کرنے پر روزہ نہیں رکھا جائے گا؟ ہرگز نہیں کیونکہ نماز اور روزہ فرض عین ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حملہ آور کے خلاف اپنا دفاع ایمان کے بعد تمام فرائض سے بڑھ کر فرض عین ہے۔ دفاع کی مجبوری کی وجہ سے روزہ مؤخر ہو سکتا ہے، حالات زیادہ سخت ہوں تو نماز مؤخر ہو سکتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خندق کے موقع پر دفاع میں مصروفیت کی وجہ سے چار نمازیں مؤخر کر کے پڑھیں کیونکہ اگر اس وقت دفاع میں کوتاہی کی جائے گی تو مسلمانوں کی نہ جان بچے گی، نہ مال، نہ عزت و

آبرو، نہ شان وشوکت، نہ ان کی نمازیں باقی رہیں گی، نہ روزے، نہ حج، نہ زکوٰۃ، نہ ان کی مساجد رہیں گی، نہ مدارس، نہ وہ خود بچیں گے، نہ ان کے ماں باپ اور مشائخ جن کی اجازت کے بہانے سے انہیں دفاع سے روک دیا گیا تھا۔اسی لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

«فَالْعَدُوُّ الصَّائِلُ الَّذِی یُفْسِدُ الدِّیْنَ وَ الدُّنْیَا لَا شَیْءٌ اَوْجَب بَعْدَ الْإِیْمَانِ مِنْ دَفْعِہٖ»[1]

"حملہ آور دشمن جو دین ودنیا کو برباد کردیتا ہے، ایمان کے بعد اس کو ہٹانے سے زیادہ کوئی چیز فرض نہیں۔"

فقہائے اسلام کے فتوے:

قرآن وحدیث کے واضح دلائل کے بعد اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ دفاعی جہاد کے فرض عین ہونے کے بعد اقوال ذکر کیے جائیں مگر مزید اطمینان کے لیے چند اقوال تحریر کیے جاتے ہیں۔حقیقت واقعی یہ ہے کہ اس بات پر پہلے اور پچھلے تمام فقہاء ومحدثین کا اتفاق ہے کہ حملہ آور کے خلاف اپنے دفاع کے لیے جہاد فرض عین ہے اور اس کے لیے والدین یا کسی اور سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔

ڈاکٹر عبداللہ عزام رحمہ اللہ کے رسالہ "اَلدِّفَاعُ عَنْ اَرَاضِی الْمُسْلِمِیْنَ ھِیَ أَھَمُّ فُرُوْضِ الْأَعْیَانِ "میں سے چند حوالہ جات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

فقہائے حنفیہ:

ابن عابدین نے لکھا ہے اگر دشمن اسلام کی کسی سرحد پر حملہ آور ہو تو اس کے قریب کے لوگوں پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔لیکن جو لوگ دشمن سے دور ہوں، اگر دفاع کے لیے ان کی ضرورت نہ ہو تو ان پر جہاد فرض کفایہ ہے۔اگر ان کی ضرورت پڑ جائے کہ قریب کے لوگ دشمن کا مقابلہ نہ کرسکتے ہوں یا مقابلہ کرسکتے ہوں مگر سستی کریں اور جہاد نہ کریں تو ان کے ساتھ ملنے والے لوگوں پر اسی طرح فرض عین ہو جائے گا جس طرح نماز اور روزہ ہے۔انہیں جہاد ترک کرنے کی کوئی گنجائش نہ ہوگی۔یہ بھی کافی نہ ہوں تو ان کے ساتھ ملنے والوں پر فرض ہوگا۔یہاں تک کہ بالتدریج مشرق ومغرب کے تمام اہل اسلام پر فرض ہو جائے گا۔[1]

کاسانی، ابن نجیم اور ابن الھمام کا بھی یہی فتویٰ ہے۔[2]

فقہائے مالکیہ:

حاشیہ دسوقی میں ہے:

"دشمن کے اچانک حملہ آور ہونے کی صورت میں جہاد فرض عین ہو جاتا ہے، خواہ عورت ہو یا غلام یا بچہ اور انہیں نکلنا ہوگا خواہ انہیں سرپرست یا خاوند یا قرض خواہ منع کریں۔"[3]

فقہائے شافعیہ:

اگر دشمن ہمارے کسی شہر میں داخل ہو جائیں اور ہمارے اور ان کے درمیان قصر کی مسافت سے کم فاصلہ ہو تو اس شہر والوں پر دفاع لازم ہے۔ یہاں تک کہ ان پر بھی دفاع لازم ہے جن پر جہاد فرض نہیں مثلاً فقیر، بچے، مقروض اور عورتیں۔ [1]

فقہائے حنابلہ:

المغنی لابن قدامہ میں ہے: جہاد تین مقامات پر فرض عین ہو جاتا ہے۔

۱۔ جب دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے اور دونوں صفیں آمنے سامنے ہوں۔

۲۔ جب کافر حملہ کے لیے کسی شہر کے پاس آ جائے تو اس شہر والوں پر اس سے لڑنا اور اس کو نکالنا فرض عین ہو جاتا ہے۔

۳۔ جب امام کسی قوم کو جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دے تو ان پر نکلنا فرض ہو جاتا ہے۔ [2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«اِذَا دَخَلَ الْعَدُوُّ بِلَادَ الْاِسْلَامِ فَلَا رَیْبَ اَنَّهٗ یَجِبُ دَفْعُهٗ عَلَی الْاَقْرَبِ فَالْاَقْرَبِ اِذْ بِلَادُ الْاِسْلَامِ كُلُّهَا بِمَنْزِلَةِ الْبَلْدَةِ وَاحِدَةٍ وَ اَنَّهٗ یَجِبُ النَّفِیْرُ إِلَیْهِ بِلَا اِذْنِ الْوَالِدِ وَ لَا تَحْرِیْمٍ وَ نُصُوْصُ اَحْمَدَ صَرِیْحَةٌ بِهٰذَا» [3]

”جب دشمن اسلام کی سرزمین میں داخل ہو جائے تو بلا شک وشبہ اس کا دفاع واجب ہے اس پر جو اس سے قریب ہے پھر جو اس کے بعد قریب ہے کیونکہ اسلام کے تمام شہر ایک ہی شہر کی طرح ہیں اور اس صورت میں والدین اور قرض خواہ کی اجازت کے بغیر جہاد کے لیے نکلنا فرض ہے۔ امام احمد کے ارشادات اس بارہ میں بالکل واضح ہیں۔“

دعوت فکر!

میں تمام علمائے کرام اور عامۃ المسلمین سے گزارش کرتا ہوں کہ اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی حالت کو دیکھیں۔ کیا ان لاکھوں مربع میل علاقوں پر کفار کا قبضہ نہیں ہے جو کبھی اسلام اور مسلمانوں کی ملکیت تھے؟ کیا ہسپانیہ سے جہاں مسلمانوں نے آٹھ سو برس حکومت کی، اسلام اور مسلمانوں کا نام حرف غلط کی طرح نہیں مٹا دیا گیا؟ مسلمانوں کے کئی ممالک روس اور چین کے زیر تسلط نہیں۔ ہندوستان جہاں مسلمانوں نے ہزار برس حکومت کی۔ کیا اس وقت کفار کے قبضے میں نہیں؟ اور کیا ہندو برملا ہسپانیہ کی طرح وہاں سے اسلام اور مسلمانوں کا نام ونشان مٹا دینے کے درپے نہیں۔ چیچنیا، بوسنیا، فلسطین و کشمیر میں مسلمانوں کی جان و مال اور عزت وآبرو کس طرح بے دریغ پامال ہو رہی ہے۔ کیا ایسی صورت میں تمام دنیا کے مسلمانوں پر فرض نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق جہاد کے لیے نکلیں۔ یقیناً فرض ہے اور اگر وہ نہیں نکلیں گے تو کفار ان کے ان علاقوں کو بھی غلام بنالیں گے جو اس وقت مسلمانوں کے قبضے میں ہیں۔

میرے بھائیو! والدین اور قرض خواہوں سے اجازت اس وقت لی جاتی ہے جب اسلام سربلند ہو اور اس کی یلغار کفار کے علاقے کی

طرف جاری ہو۔ جب کروڑوں مسلمان کفار کے جبر وظلم کے نیچے کراہ رہے ہوں اور دن رات بچانے کی فریادیں کر رہے ہوں تو کیا ہم والدین کی اجازت کا بہانہ بنا کر اس وقت تک ہاتھ باندھ کر بیٹھے رہیں گے جب تک وہاں آخری مسلمان کو ذبح نہیں کر دیا جاتا یا اسلام سے مرتد نہیں کر دیا جاتا۔

فرض کفایہ کی ایک مثال:

اگر اس وقت جہاد فرض کفایہ بھی تسلیم کیا جائے تو ہمیں دیکھنا ہوگا کہ کیا اتنے مسلمان یہ فریضہ ادا کر رہے ہیں جو کفار کے مقابلہ کے لیے کافی ہیں؟ اور باقی تمام لوگوں کی طرف سے یہ فرض ادا ہو چکا ہے۔ اس کی ایک مثال پر غور فرمائیں۔ کچھ لوگ تفریح کے لیے ساحل سمندر پر گئے ہوئے ہیں۔ ان میں چند آدمی تیرنے میں ماہر ہیں۔ اچانک دیکھتے ہیں کہ ایک بچہ غرق ہو رہا ہے اور چیخ رہا ہے کہ مجھے بچاؤ مگر کوئی تیراک اسے بچانے کے لیے نہیں اٹھتا۔ ایک تیراک اٹھتا ہے مگر اس کا باپ اسے بچانے سے منع کر دیتا ہے۔ کیا کوئی محدث یا فقیہ کہہ سکتا ہے کہ اس وقت اس پر والد کی فرمانبرداری اور بچے کو ڈوبنے کے لیے چھوڑ دینا فرض ہے؟

یہی مثال کشمیر، فسلطین اور چیچنیا وغیرہ کی ہے۔ وہ فریاد کر رہے ہیں کہ ان کے بچے ذبح کیے جا رہے ہیں، عزتیں پامال کی جا رہی ہیں، بے گناہوں کا قتل عام جاری ہے، ان کے جسموں کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہیں۔ ایسے حالات میں چند مخلص نوجوان انہیں بچانے اور ان کی مدد کے لیے اٹھتے ہیں مگر بعض علماء ومشائخ فرماتے ہیں کہ والدین کی اجازت کے بغیر تمہارے لیے جانا ہرگز جائز نہیں کیونکہ جہاد فرض کفایہ ہے۔

افسوس ان علماء نے فرض کفایہ کا مطلب غلط سمجھا۔ سابق مثال میں جب بچے کو بچانا فرض کفایہ ہے مگر جب تک کوئی تیراک اس بچہ کو بچا نہیں لیتا، اسے بچانے کے لیے اٹھنا تمام تیراکوں پر فرض عین اور ہر ایک پر لازم ہے اور اسے بچانے کے لیے کسی تیراک کو والدین سے اجازت کی ضرورت نہیں بلکہ وہ منع بھی کریں تو اسے بچانا فرض ہے۔ جب ایک تیراک نے اٹھ کر اسے بچا لیا تو سب کا فرض ادا ہو گیا۔ اگر کوئی بھی نہ اٹھتا تو سب اسے غرق کرنے میں گناہگار ٹھہرتے۔

جب تک امت کے عوام وخواص نے جہاد کا علم تھامے رکھا، مسلمان تمام دنیا میں سربلند رہے اور اس کی بنیاد دنیا سے زیادہ آخرت پر یقین اور شہادت سے محبت پر تھی۔ جب انہوں نے دنیا سے محبت، شہادت سے نفرت اور طول امل کو اپنا لیا۔ والدین نے اپنی اولاد کو دنیا کمانے کے لیے دور دراز کافر ملکوں میں بھیجنا گوارا کیا مگر جہاد کے لیے نہ خود نکلے نہ اولاد کو نکلنے دیا تو ان میں زندہ رہنے کی محبت کی وجہ سے ایسی بزدلی پیدا ہوگئی کہ وہ دنیا کی سب سے زیادہ بزدل قوم ہنود ویہود کے ہاتھوں ذلیل ہو گئے۔ سچ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

«صَلَاحُ اَوَّلِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بِالزُّهْدِ وَالْيَقِيْنِ وَ يَهْلِكُ آخِرُهَا بِالْبُخْلِ وَالْاَمَلِ»[1]

”اس امت کے پہلے حصے کی درستی زہد اور یقین کے ساتھ ہے اور اس کا آخر بخل اور (لمبی) امید کے ساتھ ہلاک ہوگا۔“

جہاد میں والدین کی اجازت کے مسئلہ پر چند مزید اعتراضات واشکالات کا تحقیقی جائزہ:

۱۔ کیا ﴿اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا﴾ رسول اللہ ﷺ نے منسوخ قرار دی ہے؟:

دشمن کے حملہ آور ہونے کے وقت جہاد کے فرض عین ہونے کی پہلی دلیل میں نے یہ لکھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوۡا بِأَمۡوَالِكُمۡ وَ أَنۡفُسِكُمۡ فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ﴾ ①

''نکلو ہلکے ہو یا بوجھل اور اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔''

اس پر مولانا صاحب نے آیت ﴿وَ مَا كَانَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لِيَنۡفِرُوۡا كَآفَّةً﴾ تحریر فرما کر لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس آیت نے سابقہ آیت ﴿اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا﴾ کو منسوخ کر دیا ہے۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر۔'' (مولانا کا کلام ختم ہوا)

حالانکہ یہ بات نہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے، نہ ہی یہ تفسیر ابن کثیر میں رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے۔

لطف کی بات ہے کہ میں نے صحیح ابن حبان سے ایک حدیث نقل کی تھی جو کم از کم امام ابن حبان کے نزدیک صحیح ہے۔ حافظ ابن حجر اور شوکانی وغیرہ نے اسے بطور حجت نقل فرمایا ہے۔ مولانا صاحب نے ابن حبان میں اس کی موجودگی کا اقرار فرمایا ہے مگر اس حدیث کے ایک راوی حی بن عبداللہ پر چند ائمہ کی جرح نقل کر کے حدیث کو ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے، توثیق کا ایک لفظ بھی نقل نہیں کیا۔ حالانکہ راوی کے متعلق آخری فیصلہ جرح و تعدیل دونوں چیزیں ذکر کرنے کے بعد کیا جاتا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب کے شروع میں فرمایا ہے:

«إِنِّيۡ أَحۡكُمُ عَلٰى كُلِّ شَخۡصٍ مِنۡهُمۡ بِحُكۡمٍ يَشۡمِلُ اَصَحُّ مَا قِيۡلَ فِيۡهِ وَ اَعۡدِلُ مَا وَصَفَ بِهٖ»

'' یعنی میں ہر راوی پر ایسا حکم لگاؤں گا جو اس کے بارے میں کہے گئے تمام اقوال میں سب سے زیادہ صحیح قول پر اور اس کے متعلق بیان کی گئی صفات میں سب سے زیادہ انصاف والی صفت پر مشتمل ہو گا۔''

اسی تقریب میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حیی بن عبداللہ کے متعلق فرمایا: ﴿صُدُوۡقٌ يَهِمُ﴾ ''سچا ہے، وہم کرتا ہے۔'' ایسے راوی کی حدیث حسن ہوتی ہے اور یہی بات میں نے کہی ہے۔

میرے خیال میں مولانا صاحب کو ایک راوی پر صرف جرح کے الفاظ نقل کر کے حدیث کو ضعیف قرار نہیں دینا چاہیے تھا بلکہ بڑے بڑے محدثین کے اسے صحیح اور حسن قرار دینے کے بعد کسی محدث سے اس حدیث کا ضعیف ہونا نقل فرمانا چاہیے تھا یا پھر اس ورع و احتیاط کا ثبوت دینا چاہیے تھا جو اللہ تعالیٰ نے محدثین کو عطا فرمائی ہے۔

آپ ایک طرف ان کی اتنی بلندی ملاحظہ فرمائیں کہ رواۃ حدیث کی جرح و تعدیل پر محققانہ کلام فرما رہے ہیں۔ دوسری طرف احتیاط کا عالم دیکھیے کہ رسول اللہ ﷺ اور حافظ ابن کثیر کے ذمے وہ بات لگا رہے ہیں جو انہوں نے فرمائی ہی نہیں۔ پھر اس حدیث کی نہ سند بیان کرنے کی ضرورت سمجھتے ہیں نہ اس کی تخریج کرنے والے محدث کا نام بیان کرتے ہیں نہ ہی اس کے رواۃ پر جرح و تعدیل کی نظر ڈالتے ہیں۔ میں محترم مولانا کو اس وعید سے ڈراتا ہوں جو متواتر حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے:

«مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»[1]

''جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔''

میں اخوت دینی کی بنا پر انہیں مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اسی ہفت روزہ میں اس فروگزاشت کا اعتراف کریں اور اللہ تعالیٰ سے بھی معافی مانگیں۔

ہفت روزہ مذکور کے مدیر محترم اور دوسرے ذمہ داران سے بھی گزارش ہے کہ اگر آیت ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا﴾ واقعی رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق منسوخ ہو چکی ہے تو اسے ہفت روزہ مذکور کے آخری صفحے کے شروع میں ترغیب جہاد کے لیے کیوں لکھا جاتا ہے۔ امید ہے مشائخ کرام غور فرمائیں گے۔

۲۔ کیا والدین والے پر قتال کسی صورت فرض نہیں؟:

مولانا نے فتح الباری کی عبارت پر مشتمل ایک حاشیہ کا ترجمہ فرمایا ''جمہور علماء نے فتویٰ صادر فرمایا کہ جب والدین مسلمین یا ان میں سے ایک منع کرے تو جہاد یعنی قتال حرام ہو جاتا ہے کیونکہ (قرآن و حدیث کے مطابق) والدین کی خدمت فرض عین اور جہاد یعنی قتال فرض کفایہ ہے۔ اگر جہاد فرض عین ہو جائے تو اذن کی ضرورت نہیں (لیکن جہاد یعنی قتال کسی صورت فرض نہیں والدین والے پر)[1]

میرا سوال یہ ہے کہ قوسین کے درمیان عبارت (لیکن جہاد یعنی قتال کسی صورت فرض نہیں والدین والے پر) کس عبارت کا ترجمہ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تو یہ بات تحریر نہیں فرمائی۔ اگر مولانا صاحب نے اپنی طرف سے یہ بات کی ہے تو اسے کم از کم حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام کے مطابق تو ہونا چاہیے۔ اب حافظ صاحب تو فرما رہے ہیں کہ اگر جہاد فرض عین ہو جائے تو (اذن) اجازت کی ضرورت نہیں اور مولانا صاحب فرما رہے ہیں (جہاد یعنی قتال کسی صورت فرض نہیں والدین والے پر) کیا یہ واضح تضاد نہیں؟

میں مولانا محترم سے پوچھتا ہوں کہ وہ واقعی یہی سمجھتے ہیں کہ ''جہاد یعنی قتال کسی صورت فرض نہیں والدین والے پر'' کیا اگر کفار کسی کے گھر میں داخل ہو کر اس کا مال لوٹنا شروع کر دیں اور اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی بہن یا بیٹی کے ساتھ زنا شروع کر دیں یا اس کے والدین کی بے حرمتی کریں تو کیا والدین کی موجودگی کی وجہ سے اس پر قتال فرض نہ ہوگا؟

میں مولانا کے متعلق یہی سمجھتا ہوں کہ وہ بھی ایسی صورت میں والدین کی موجودگی کے باوجود قتال کو فرض سمجھتے ہیں، مولانا نے یہ بات تسلیم بھی کی ہے۔ خود ان کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔ کوئی شہر گھیرے میں آجائے تو سب کو دفاع کرنا چاہیے:

مولانا صاحب غزوۂ خندق کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں، اس غزوہ میں کفار کے لشکروں نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کر دی تھی اور مسلمانان مدینہ حد درجہ پریشان ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا﴾[1]

''اس موقع پر مسلمانوں کا امتحان کیا گیا اور سخت زلزلہ میں ڈالے گئے۔''

اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کر کے دفاع کے انتظامات مکمل کیے۔ خندق کھودی گئی، عورتوں کا علیحدہ انتظام کر دیا گیا، بچے بوڑھے سب دفاع میں مشغول ہو گئے۔ والدین خود ہی اپنی اولاد کو ساتھ لے کر میدان دفاع میں جمع ہو گئے۔ کوئی گھروں میں باقی نہ رہا۔ ایسی صورت اگر آج بھی ہو کہ کوئی شہر گھیرے میں آ جائے تو سب کو دفاع کرنا چاہیے۔ والدین مع اولاد کے حصہ لیں، تغافل سے ہرگز کام نہ لیں، ایسے موقع پر ہر آقا اپنے غلام کو اور ہر باپ اپنے بیٹے کو خود دفاع کا حکم دیتا ہے اور خود بھی مشغول۔ ایسے نازک مواقع پر بھی جہاد بمعنی قتال فرض کفایہ ہی رہے گا تاکہ دوسرے شہروں اور علاقوں والے گنہگار نہ ٹھہریں۔'' مولانا کا کلام ختم ہوا۔

دوسرے شہروں والے کے لیے فرض کفایہ ہی سہی، محصور شہر والوں کے متعلق جب آپ فرماتے ہیں کہ سب کو دفاع کرنا چاہیے تو میری بات اور آپ کی بات میں فرق کیا رہ جاتا ہے۔ امید ہے ہمارے درمیان جو تھوڑا بہت لفظی اختلاف ہے وہ بھی ان شاءاللہ ختم ہو جائے گا۔

آملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک
باد گل کی ہم نفس باد صبا ہو جائے گی

باقی جو آپ نے فرمایا ہے کہ ایسی صورت میں ہر باپ اپنے بیٹے کو خود دفاع کا حکم دیتا ہے تو یہ بات درست نہیں۔ کئی بدقسمت ایسے موقع پر بھی لڑائی سے روکتے ہیں۔ باور نہ ہو تو جنگ خندق کے موقع پر مدینہ کے بعض کلمہ گو لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کی شہادت ملاحظہ فرمائیں:

﴿ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا وَ لَا يَأْتُوْنَ الْبَأْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ ①

''اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو لوگوں کو منع کرتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں، ہمارے پاس چلے آؤ اور لڑائی میں نہیں آتے مگر کم۔''

اور سیرت کی کتابیں شاہد ہیں کہ بعض مخلص مسلمان بیٹوں نے اپنے کلمہ گو والدین کو مدینہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا اس لیے کہ وہ مجاہدین کی گستاخی کے مرتکب ہوئے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ مخلص نوجوان والدین کی تمام تر اطاعت کے باوجود جہاد کے لیے ان کی اجازت کو نظر انداز کرتے ہی اس وقت ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ والدین انہیں اپنی خدمت کے لیے نہیں روک رہے ہیں بلکہ صرف جہاد کی مخالفت کی وجہ سے روک رہے ہیں اور اس کی واضح دلیل ان کے سامنے ہوتی ہے کہ اگر وہ مال کمانے کے لیے امریکہ یا فرانس جانا چاہیں تو انہیں بخوشی اجازت ملتی ہے، کرایہ بھی ملتا ہے، جدائی بھی برداشت ہوتی ہے، بلاد کفار میں بھیج کر ایمان کی بربادی بھی گوارا ہوتی ہے مگر جہاں کفار نے مسلمانوں کو گھیر رکھا ہے وہاں جانے کی بات کریں تو والدین کو ہارٹ اٹیک ہو جاتا ہے، ان سے اپنے لخت جگر کی جدائی برداشت نہیں ہوتی اور اجازت دینے سے صاف انکار کر دیتے ہیں۔ بعض علمائے کرام بھی ایسی صورت میں گھیرے میں آئے ہوئے مسلمانوں کو چھڑانے کے لیے جانے کو

حرام قرار دیتے ہیں۔ایسی صورت میں نوجوان ایک طرف والدین کی اجازت کے منتظر ہوتے ہیں جس کے لیے توقع ہی نہیں ہوتی اور جس سے صاف انکار ہو چکا ہوتا ہے دوسری طرف آسمان سے آواز آتی ہے:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَ اَبْنَائُكُمْ وَ إِخْوَانُكُمْ وَ أَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ أَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَآ أَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾[1]

”کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے مندے سے تم ڈرتے ہو اور مکان جنہیں تم پسند کرتے ہو اللہ اور اس کے رسول اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم یعنی عذاب لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

قارئین کرام! غور فرمائیں نوجوان کیا کریں، علمائے وقت والدین کی موجودگی کی وجہ سے جہاد کی فرضیت ختم کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ والدین کو جہاد سے زیادہ عزیز جاننے پر عذاب کی وعید سنا رہے ہیں۔اگر ان علماء کے قول کے مطابق جہاد یعنی ”قتال کسی صورت فرض نہیں والدین والے پر“ تو جہاد کے مقابلے میں والدین کو عزیز جاننے پر وعید کیوں ہے؟

۴۔جہاد کشمیر کے لیے مجاہدین کی تعداد کا مسئلہ:

محترم مولانا کے خیال کے مطابق جو مجاہدین جہاد کر رہے ہیں ان کے خلوص کے باوجود قرآن مجید کے دو مقدس اصولوں کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ایک مجاہدین کا متحد نہ ہونا اور دوسرا مولانا کے خیال کے مطابق مطلوبہ تعداد کا نہ ہونا۔کشمیر کی جنگ کے لیے کم از کم کتنے مجاہدین ضروری ہیں؟ اس کے متعلق مولانا نے ایک ہی صفحے پر دو باتیں لکھی ہیں:

۱۔ فرماتے ہیں: آج ہمیں کشمیر حاصل کرنے کے لیے دو چار سو مجاہدین نہیں بلکہ کم از کم بیس ہزار مجاہدین کی ضرورت ہے جن کے پاس موجودہ حالات کے مطابق ہر قسم کا سامان حرب وافر مقدار میں موجود ہونا چاہیے اور مقبوضہ کشمیر کے مسلمان ہجرت کر کے مجاہدین کے ساتھ مل جائیں اور یکبارگی ہندو عوام اور فوج پر حملہ کر دیا جائے۔

۲۔ دوسری بات کے شروع میں مولانا نے اپنے خیال کے مطابق قرآن کا اصول بیان کیا ہے:

﴿فَإِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ...... الخ﴾[1]

”سو اگر تم میں ایک سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آ جائیں گے اور تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر غالب ہوں گے اللہ کے حکم سے۔“

اس اصول کی بنا پر فرماتے ہیں ”ہندو فوج کی تعداد کشمیر میں چھ لاکھ بتائی جاتی ہے۔آگے چل کر لکھتے ہیں اگر ہم مقبوضہ کشمیر کو آزاد کرانا چاہتے ہیں تو ہمارے مجاہدین کی تعداد تین لاکھ ہونی چاہیے اور مضبوط پشت پناہی کی بھی ضرورت ہے۔“ الخ۔

آپ اس شرط پر غور فرمائیں، سب جانتے ہیں کہ ہندو مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں کو ہجرت نہیں کرنے دیتے۔ مجاہدین کی تعداد بیس ہزار یا تین لاکھ بھی موجود نہیں اور اس سے کم تعداد کے ساتھ لڑنا مولانا کے نزدیک قرآن کے مقدس اصول کی خلاف ورزی ہے۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ جو لوگ کشمیر میں جہاد کر رہے ہیں، قرآن کے مقدس اصول کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ اب جب تک مطلوبہ تعداد پوری نہیں ہوتی، انہیں اللہ کا حکم یعنی لڑائی چھوڑ دینی چاہیے اور فرمانبردار بچوں کی طرح حکومت کی غلامی قبول کر لینی چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ شروع اسلام میں تلوار اٹھانے کی ضرورت ہی نہ تھی مسلمانوں کو ہاتھ روک کر رکھنے کا حکم تھا۔ اب جہاد کی اجازت ہوگئی بلکہ بعد میں جہاد فرض ہو گیا تو اب یہ قیامت تک جاری رہے گا۔ تعداد کی بھی کوئی شرط نہیں۔ اگر کوئی شخص سمجھتا ہے کہ میں کفار کو زک پہنچا سکتا ہوں، وہ اکیلا بھی لڑ سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [1]

''پس اللہ کی راہ میں لڑ۔ تجھے تکلیف نہیں دی جاتی مگر تیری جان کی اور مومنوں کو رغبت دلا۔''

اگر ہم حدیث اور سیرت و تاریخ کی کتابوں کو دیکھیں تو یہی نظر آتا ہے کہ مسلمانوں کی نسبت اکثر جنگوں میں کفار سے بہت کم رہی ہے۔ صحیح بخاری کے مطابق ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے پہلے اکیلے اور پھر چھوٹی سی جماعت کے ساتھ پورے کفار کے ساتھ گوریلا جنگ چھیڑ لی تھی اور انہیں زچ کر کے رکھ دیا تھا۔ جنگ موتہ میں دو لاکھ کفار کے مقابلے میں صرف تین ہزار مسلمان تھے۔ ایک ہزار کفار کے مقابلے میں صرف پندرہ مسلمان تھے اور ایک ایک مسلمان چھیاسٹھ سے زیادہ کفار کے ساتھ لڑ رہا تھا۔ [2]

یرموک میں دو لاکھ کفار کے مقابلے میں بیس ہزار اور دوسری روایت کے مطابق تیس ہزار مسلمان تھے۔ کیا یہ سب لوگ دگنے سے زیادہ کفار سے جنگ کر کے قرآن کے مقدس اصول کی خلاف ورزی کر رہے تھے؟

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ دنیا کے ہر خطے میں مٹھی بھر مجاہدین نے کفار کو لرزہ براندام کر رکھا ہے اور ان کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں۔ ایسے حالات میں مجاہدین کو یہ اصول سمجھانا کہ دگنے سے زیادہ کفار کے ساتھ لڑنا قرآن کے مقدس اصول کی خلاف ورزی ہے، کفر کی اتنی بڑی خدمت ہے کہ تمام دنیا کے کفار مل کر بھی اتنی بڑی خدمت سرانجام نہیں دے سکتے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ یہ خدمت مسلم علماء سرانجام دے رہے ہیں ؎

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟

اگر یہ اصول مان لیا جائے تو نہ پاکستان کو ہندوستان کے ساتھ جنگ جائز ہے نہ افغانستان کو روس کے ساتھ۔ سامان حرب اور تعداد کو سامنے رکھا جائے تو امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے ساتھ مسلمانوں کا جنگ کرنا کلیتاً حرام ٹھہرتا ہے۔ چیچنیا کی تو روس کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہی نہیں۔ چلیے چھٹی ہوئی۔ دنیا کے تمام خطوں میں جہاد کے دردسر سے نجات ملی۔ بوسنیا، چیچنیا، فلپائن، اریٹیریا، فلسطین، کشمیر کہیں بھی مجاہدین کی تعداد آپ کے مزعوم قرآنی اصول کے مطابق نہیں، نہ وہ شرطیں کسی جگہ موجود ہیں جو آپ نے مزید لکھی ہیں یعنی سامان حرب، جائے پناہ یا وطن لہٰذا جہاد کا قصہ ختم۔ خاموشی سے کفر کا غلبہ تسلیم کر لیں۔

آخر میں ایک ضروری بات......:

جہاد فرض عین یا فرض کفایہ ہونے کے متعلق کئی اور محترم بھائیوں نے بھی مضامین وشذرات لکھے ہیں۔ان میں سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا گیا ہے کہ اگر جہاد فرض عین ہے تو جماعۃ الدعوۃ سے تعلق رکھنے والے تمام لوگ گھروں سے نکل کیوں نہیں جاتے ، دعوت کا کام کیوں کر رہے ہیں، مدارس کیوں چلا رہے ہیں؟

ہمارے ان محترم بھائیوں کو شاید معلوم نہیں کہ قتال و جہاد ایک وسیع عمل ہے۔اس میں قوم کے تمام طبقات شامل ہوتے ہیں تو یہ مکمل ہوتا ہے۔ایک مجاہد جب مقبوضہ وادی میں جا کر گولی چلاتا ہے تو اس گولی چلانے میں وہ اکیلا نہیں ہوتا۔اسے گولی مہیا کرنے والے، اسے قتال پر آمادہ کرنے والے، اس کی تربیت کرنے والے، اس کی خوراک اور ضروریات کا خیال رکھنے والے، اس کے گھر کی حفاظت کرنے والے سب قتال کے عمل کا حصہ ہیں۔اس لیے اگر رسول اللہ ﷺ مدینہ میں بیٹھ کر موتہ کی طرف لشکر روانہ کرتے ہیں یا عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ میں بیٹھ کر قادسیہ کی طرف فوج روانہ کرتے ہیں تو اگر کوئی یہ کہے کہ وہ اس قتال میں شامل نہیں تو یہ قتال کے معاملات نہ سمجھنے کا ہی نتیجہ ہو سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔آمین

❀ ...... ❀ ...... ❀

کیا خلیفہ کے بغیر جہاد نہیں ہو سکتا؟

جہاد ایک بہت بڑا دینی فریضہ ہے بلکہ تمام دینی فرائض کے قیام کا سبب ہے اور تمام دینی شعائر، اقدار اور تمام دینی امور کی زندگی اور بقا کا واحد ذریعہ ہے۔ جہاد شریعت میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ عموماً مسلمان اس سے ناواقف نہیں لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ قرآن مجید کا بہت بڑا حصہ جہاد کے موضوع اور اس کے اسباق و ثمرات پر مشتمل ہونے کے باوجود...... اکثریت اس کے وجود، اس کی اہمیت اور فرضیت سے اپنے آپ کو دانستہ بے خبر رکھے ہوئے ہے۔ قرآن پاک کی بعض بڑی بڑی سورتیں ایک ایک جہادی فریضے کی تفصیل پر مشتمل ہیں، مثلاً سورۂ انفال میں غزوۂ بدر کی تفصیلات ہیں، سورۂ آل عمران غزوۂ احد کی تشریح ہے۔ سورۃ الفتح میں غزوۂ حدیبیہ کا مفصل بیان ہے۔ اسلام کی ایک جنگ، جنگ احزاب اور جنگ خندق کے نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ کی تفصیلات بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک مکمل سورت نازل فرمائی جسے سورۃ الاحزاب کہا جاتا ہے۔ سورۃ النساء میں جہاد فی سبیل اللہ اور قتال مع المشرکین کی بہت سی آیات ہیں۔ اسی طرح سورۃ النحل میں، جو توحید کی سورت کہلاتی ہے، اللہ کی راہ میں قتال و جہاد پر ترغیب موجود ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی سورتیں اور آیات اس فریضہ کی تفصیلات پر مشتمل ہیں۔ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو قرآن کا ایک بہت بڑا قابل قدر حصہ اسی بیان پر مشتمل پائیں گے۔ اتنا بڑا فریضہ آج ابلیس کے وسوسوں کے چکر میں ناقابل عمل بنا دیا گیا ہے۔

جہاد کیوں کیا جائے اور کب تک جاری رہے گا؟:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ﴾[1]

”تم ان کافروں سے لڑو۔ تمہاری لڑائی کی انتہا یہ ہو کہ مسلمانوں کے لیے ہر قسم کا فتنہ ختم ہو جائے۔“

فتنہ کیا ہے؟ مسلمانوں کا کافروں کی طرف سے مصائب و آلام اور دین قبول کرنے کے بعد مشکلات کے اندر مبتلا ہونا:

﴿ وَ مَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴾[2]

”وہ اللہ عزیز وحمید پر ایمان لائے ہیں۔ اس وجہ سے کافران سے انتقام لینا چاہتے ہیں۔“

یہ کافروں کا فتنہ ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ جب تک اس سرزمین سے یہ فتنہ ختم نہ ہو جائے، قتال کو جاری رکھو یعنی جب تک اس سرزمین پر ایسی ہر کوشش کا خاتمہ نہ ہو جائے جو مومنین کو توحید پر عمل کرنے میں رکاوٹ بنتی ہو اور دنیا سے کفر و شرک ختم نہ ہو جائے، قتال کو جاری رکھو۔

بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَيُقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ»[3]

”مجھے لوگوں کے ساتھ قتال کا حکم ہے۔ یہ قتال کب تک جاری رہے گا؟ جب تک کہ پوری کائنات اس بات کی گواہی نہ دے دے کہ اس کائنات کا اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں (اور دوسری شہادت اس بات کی دے دیں کہ محمد ﷺ ہی اللہ کے نمائندے اور رسول ہیں اور انہی کی اطاعت واجب ہے۔ ان کی موجودگی میں اور کسی کی امارت اور قیادت تسلیم نہیں کی جاسکتی۔) حتیٰ کہ سب نماز قائم کرنے والے بن جائیں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ تو اس وقت تک جہاد جاری رہے گا۔“

اس کو اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ایک جگہ یوں بیان فرماتا ہے، اے سارے مسلمانو!

﴿ وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً ﴾[1]

”پوری دنیا کے مشرکوں سے تمہارا قتال اور جہاد جاری رہنا چاہیے۔“

لوگو! اس جہاد اور قتال کا جو مقصد ہے وہ اللہ کے دین کا غلبہ و سربلندی ہے۔ اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ مقصد اللہ سے اجر حاصل کرنا ہے یا جنت حاصل کرنا ہے۔

کیا صرف کلمۃ اللہ کی سربلندی ہی جہاد کا مقصد ہے؟

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ کلمۃ اللہ کی سربلندی ہی جہاد کا مقصد ہے۔ بھائیو! اگر صدیوں تک جہاد ہوتا رہے اور اللہ کا کلمہ سربلند نہ ہو تو کیا خیال ہے کہ مجاہد اور غازی ناکام ہوں گے، اللہ کے ہاں محروم ہوں گے؟ نہیں! اللہ کے ہاں جنت پھر بھی واجب ہو جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«تَضَمَّنَ اللّٰهُ لِمَنْ خَرَجَ فِیْ سَبِيْلِهٖ لَا يُخْرِجُهُ اِلَّا اِيْمَانٌ بِهٖ وَ تَصْدِيْقٌ بِرُسُلِهٖ وَجِهَادٌ فِیْ سَبِيْلِهٖ أَنْ يَّرْجِعَهُ بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيْمَةٍ أَوْ جَنَّةٍ»[2]

”اللہ کا وعدہ ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں نکلا صرف اس لیے کہ وہ اللہ کے کلمے کو سربلند کرے، اللہ پر ایمان لے آیا، اللہ کے رسولوں کی تصدیق کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اللہ اس کو تین باتوں میں سے ایک بات کی ضمانت دیتا ہے۔ یا وہ جنت میں جائے گا یا غنیمت حاصل کرے گا...... یا اجر حاصل کرے گا۔“

یہ تینوں چیزیں جمع بھی ہوسکتی ہیں اور الگ الگ بھی ہوسکتی ہیں کیونکہ درمیان میں کلمہ اَوْ ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جہاد کرنے والے کو صرف جنت ملے اور کچھ نہ ملے نہ خلافت قائم ہو نہ کلمۃ اللہ کی سربلندی ہو اور نہ مال غنیمت ہی ملے۔ صرف جنت ملے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جہاد کرنے والے کو صرف غنیمت ملے اور کچھ نہ ملے۔ کیونکہ درمیان میں کلمہ "اَوْ" ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ جنت میں بھی ابھی نہ جائے (مستقبل میں تو ان شاء اللہ ضرور پہنچے گا) اس کو غنیمت بھی نہ ملے، واپس لوٹ آئے لیکن اجر اس کو ضرور ملے گا۔ معلوم ہوا اجر کا حصول بھی شرعی مقصد ہے۔ غنیمت اور جنت کا حصول شرعی مقصد ہے۔ پھر بھی لوگ کہتے ہیں کہ جہاد صرف اس صورت میں ہوگا جب کلمۃ اللہ کی سربلندی ہوگی۔ بھائیو! کلمۃ اللہ کی سربلندی مجاہدین کا مقصد ہے اور اس کے مقابلے میں جو چیز اس کے ارادے اور خیال میں نہ آنی چاہیے، وہ شجاعت کا اظہار ہے یا ریاکاری اور اپنے مرتبے کا اظہار کرنا، اپنے آپ کو سربلند کرنے کی کوشش اور خواہش کرنا۔ اعلائے کلمۃ اللہ ان مذکورہ چیزوں کے مقابلے میں آ رہا ہے۔ جب اعلائے کلمۃ اللہ کے علاوہ اپنے مرتبے کا اظہار شجاعت اور بہادری اور تمغے حاصل کرنا مقصد ہوگا تو "لَیسَ هُوَ الْمُجَاهِدُ فِی سَبِیلِ اللّٰهِ" "وہ اللہ کے راستے میں مجاہد نہیں ہے۔"

جب تک جہاد و قتال جاری رہے گا، اس وقت تک ہجرت بھی جاری رہے گی:

بھائیو! جہاد و قتال کے اور بھی بہت سے اسباب ہیں۔ ایک بڑا سبب یہ ہے کہ جب دشمنان دین تمہارے مسلمان کمزور بھائیوں کو تنگ کریں، ان پر ظلم کریں ان کو اپنے وطن سے نکال دیں، عرصۂ حیات تنگ کر دیں تو وہ کمزور لوگ تمہاری نصرت و امداد کے مستحق ہیں، ان کی مدد کے لیے نکلو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ [1]

"لوگو! اللہ کی راہ میں کیوں نہیں لڑتے ہو؟"

جو مرد ہیں، عورتیں ہیں، بچے ہیں اور وہ اللہ سے عرض کرتے ہیں کہ اللہ اس ظالم بستی سے ہمیں نکال لے...... لیکن اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اس ظالم بستی سے اگر وہ نکلنا ہی چاہیں، تبھی امداد کے مستحق ہوں گے۔ اس لیے کہ جب مکہ کی بستی فتح ہو جاتی ہے تو رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ((لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ)) "اب مکہ فتح ہوگیا لہٰذا اب مکہ سے ہجرت ختم ہے۔" آج مکہ فتح ہو چکا ہے، مکے کے رہنے والو! آج تمہیں مکے سے نکلنا نہیں بلکہ غیر مکی بھی مکے کے دارالسلام میں آ سکتے ہیں۔ اب مکے سے نکلنا مقصد نہیں رہا کیونکہ وہ دارالسلام بن گیا۔ اب ہجرت مکے سے ختم ہوگئی لیکن جہاد اور اس کی نیت باقی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں ہجرت پہلے ہے، جہاد بعد میں ہے۔ دیکھو! اللہ کے رسول ﷺ ہجرت کے خاتمے کا اعلان کر رہے ہیں لیکن جہاد کی بقاء کی دعوت دے رہے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کی بات مانیں یا لوگوں کے وساوس کو قبول کریں: ((فَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا)) "جب تمہیں اللہ کی راہ میں نکلنے کیلئے کہا جائے تو نکلو۔" کہا جا سکتا ہے کہ مکے سے ہجرت نہیں کی۔ کسی اور دارالکفر سے ہجرت کی جاسکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے: ((لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ مَا قُوْتِلَ الْكُفَّارَ)) "جب تک کفار سے قتال ہوگا اس وقت تک ہجرت ہوگی۔" اس حدیث کو ابوداؤد نے ذکر فرمایا ہے (وَ سَكَتَ عَنْهُ وَالْحَافِظُ

الْمُنْذِرِیُّ)۔ ''آپ نے اور حافظ منذری دونوں نے اس پر سکوت فرمایا ہے۔'' یہ دلیل ہے اس کے قابل احتجاج ہونے کی۔ حدیث حسن ہے، قابل حجت ہے۔ اس لیے فرمایا ہجرت کا تعلق قتال کے ساتھ ہے، قتال ہوگا تو ہجرت ہوگی۔ اگر قتال ختم کر دو گے تو ہجرت بھی نہیں ہوگی۔ ((لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ)) ''ہجرت باقی ہے، ختم نہیں ہوگی۔'' جب تک کہ قتال اور جہاد باقی ہے۔ جنھوں نے قتال اور جہاد ختم کر دیا، وہ صرف نفس کی تسلی کے لیے ہجرت کی بقا کی دعوت دے رہے ہیں کہ ہجرت کرو، قتال نہ کرو۔ جب قتال نہیں ہوگا تو ہجرت کی کیا ضرورت ہے؟ جب اس کے دل سے جہاد اور قتال کی خواہش اور جذبہ ہی ختم ہو جائے گا تو ہجرت کی عقلاً کوئی ضرورت ہی باقی نہ رہے گی۔ پھر وہ جہاں بھی ہے غلام ہے، مسکین ہے، مظلوم ہے، ہر کفر کی غلامی کرے گا، ہر کافر کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں پہن لے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا ﴾ [1]

''اللہ کی راہ میں نکلو جس حالت میں بھی تم ہو، ہلکے ہو یا بھاری۔''

ہلکے ہو تب بھی نکلو، بھاری ہو تب بھی نکلو۔ طاقت کم ہے تب بھی نکلو۔ طاقت زیادہ ہے تب بھی نکلو۔ اسلحہ کم ہے تب بھی، تعداد کم ہے یا زیادہ ہے تب بھی نکلو۔

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان فرماتے ہیں کہ میں نے بعض لوگوں کو سنا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں لڑنے والے بہادروں کی شجاعت پر طنز کرتے ہیں کہ ایک ایک آدمی دس دس کے مقابلے میں جا رہا ہے۔ غیر مسلح، مسلح آدمیوں پر ٹوٹ رہا ہے۔ یہ اپنی جان کو موت کے حوالے کر رہے ہیں جبکہ اللہ فرماتا ہے:

﴿ وَ لَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ ﴾ [2]

''اور تم اپنی جانوں کو ہلاکت میں مت ڈالو۔''

فرمایا لوگو سن لو! میں انصاری ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ آیت انصار کے اندر اتری ہے اور اس وقت اتری'' (اِذَا أَحْبَبْنَا الْأَمْوَالَ وَ الْأَرَاضِیَ) ''جب ہم نے اپنے اموال، اپنی رقموں، زمینوں، اپنی جاگیروں اور سرسبز و شاداب باغات اور کھیتوں سے محبت کی اور خیال کیا کہ اسلام غالب آ گیا ہے۔ اللہ نے اسلام کو شوکت عطا کر دی ہے۔ اب ہمیں گھر چھوڑ کر دشمنوں کے ساتھ قتال کرنے کے لیے باہر نکلنے کی کوئی ضرورت نہیں، اس لیے کہ اب ہمیں موقع ملا ہے کہ مدینے میں رہ کر اپنا کاروبار پھیلائیں، اپنی تجارت کو زندہ کریں اور اپنی جان کو خواہ مخواہ ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ اس وقت اللہ نے فرمایا: ﴿أَنْفِقُوا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ یہ مال، یہ جانیں، یہ دولتیں اللہ نے دیے ہیں، اللہ کے لیے ہی ان کو خرچ کر دو، خرچ نہ کرو گے تو اپنے آپ کو جہنم کی ہلاکت میں پھینک دو گے۔'' یہ حدیث، نسائی، ترمذی، ابو داؤد نے بیان کی ہے۔ اس کو امام ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔

کیا خلیفہ کی غیر موجودگی میں جہاد ساقط ہو جائے گا؟:

لوگ کہتے ہیں کہ جہاد وقتال تو خلیفہ کرواتا ہے آج جب خلیفہ موجود نہیں تو جہاد وقتال کا حکم کون دے گا؟ اور اس کی تعمیل کیسے واجب ہوگی؟ جب خلافت موجود نہیں تو جہاد وقتال نہیں ہو سکتا۔

میرے دوستو! یہ بہت بڑا شیطانی وسوسہ ہے۔ قرآن کے اندر، اللہ کے نبی ﷺ کی سنت میں ہمیں کوئی ایک بھی ایسی نص نہیں ملی جس کا یہ معنی ہو کہ جب خلافت نہیں ہوگی تو قتال نہیں ہوگا۔ بعض لوگ یہ دلیل دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جیسے خون بہا، حدود اور شرعی تعزیرات خلیفہ کے بغیر کوئی قائم نہیں کر سکتا، ایسے ہی جہاد بھی خلیفہ کے سوا کوئی جاری نہیں کر سکتا۔''

میرے بھائیو! ان کو قرآن کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ وہ ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ ﴾ ''تم پر قتال فرض کر دیا گیا ہے۔'' ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ ﴾ تم پر قصاص فرض کر دیا گیا ہے۔'' کے مثل قرار دیتے ہیں۔ ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ﴾ ''تم پر روزے فرض کر دیے گئے ہیں۔'' کی مثال کیوں نہیں دیتے۔ اگر یہ ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ ﴾ کی مثل ہے تو روزوں کی مثال کیوں نہیں دیتے۔ کیا روزے رکھنے کے لیے بھی خلیفہ کی شرط ہے؟ نمازیں پڑھنے کے لیے بھی خلیفہ کی شرط ہے؟ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے یہ شرط ہے۔ اسی طرح کیا باقی ارکان اسلام ادا کرنے کے لیے بھی خلیفہ کی شرط ہے؟...... میرے بھائیو! کسی طرح کی خلافت کی کوئی شرط نہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو احکام قرآن مجید میں جہاد وقتال کے لیے دیے ہیں، اس میں خلافت کی کوئی شرط نہیں لگائی گئی۔

ایک عجیب استدلال:

بعض لوگ استدلال کرتے ہیں: ﴿ وَ إِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا ﴾ ''جب تمہیں کہا جائے کہ اللہ کی راہ میں نکلو، تب نکلو۔'' اس سے یہ بات نکالتے ہیں کہ جب نہ کہا جائے تو مت نکلو۔ تو پھر اگر اس کا اطلاق اسی طرح کرنا ہے تو جب تمہیں کہا جائے کہ نماز پڑھو تو پڑھو اور جب نہ کہا جائے تو کیا مت پڑھو؟ جب اذان دینے والا کوئی نہ ہو، مسجد آپ کے شہر میں کوئی نہ ہو، امام کوئی نہ ملے، داعی منادی کوئی نہ ہو تو نماز مت پڑھو؟ کیا عجیب استدلال ہے!

﴿ إِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ ﴾ ان کو نظر آتا ہے لیکن ﴿ اِنْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ﴾ نظر نہیں آتا۔ ﴿ إِلَّا تَنْفِرُوْا ﴾ نکلو، اگر نہیں نکلو گے تو ﴿ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴾ ''اللہ تمہیں دردناک عذاب سے دوچار کرے گا۔'' جس کی ایک شکل یہ ہوگی: ﴿ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ﴾ ''تمہیں بدل کر اپنے بندے تمہاری جگہ لے آئے گا جو جہاد وقتال کو قائم کریں گے۔'' یہ آیات نظر نہیں آتیں۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ ﴾ ''اے نبی! کافروں سے جہاد کرو۔'' ﴿ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴾ ''اور منافقین سے جہاد کرو'' ﴿ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ﴾ ''اور ان پر سختی کرو'' ﴿ وَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ﴾ ''اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے'' ﴿ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ ''اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے'' اور فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ﴾[1]

”جو کافر تمہارے قریب ہے، ہر مسلمان قریب والے کافر سے ٹکرا جائے اور وہ کافر تمہارے اندر سختی محسوس کریں (تاکہ اللہ کی سرزمین سے کفر مٹ جائے، اسلام زندہ ہو جائے)“

اس میں کونسی خلافت کی شرط ہے اور کس خلیفہ کو یہاں مشروط کیا گیا ہے؟ اور کہاں کہا گیا ہے کہ اگر خلیفہ تمہارے ساتھ ہو تو پھر تم یہ کام کرو، اگر خلیفہ تمہارے ساتھ نہ ہو تو پھر یہ کام نہ کرو۔

ہمارے پاس عہد رسالت ﷺ، عہد خلافت کی زندہ مثالیں موجود ہیں۔ ان مثالوں کی روشنی میں بھی اس مسئلہ کو سمجھیں۔ آپ جانتے ہیں کہ...... عام طور پر لوگ صلح حدیبیہ کہتے ہیں۔ میں اس کو صحیح بخاری کے الفاظ میں غزوہ الحدیبیہ کہتا ہوں۔ اس لیے کہ اللہ نے اس کو فتح قرار دیا ہے، اس پر موت کی بیعت لی گئی ہے، لڑائی کا عہد کیا گیا ہے اور لڑائی مبارزہ کے لیے تیاری کرنا:

﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ﴾ ①

”اور دشمنوں کے لیے اپنی استطاعت کے مطابق قوت تیار رکھو۔ (مثلاً) گھوڑوں کو باندھے رکھنے سے کہ جس کے ساتھ دہشت طاری کر سکو، اپنے دشمنوں اور اللہ کے دشمنوں پر۔“

یہ بھی جہاد و قتال ہے۔ اس کے ساتھ اللہ کے دشمنوں میں خوف پیدا ہوتا ہے۔

غزوۂ حدیبیہ اور معسکر ابو بصیر:

بتائیے! جب اللہ کے رسول ﷺ نے غزوۂ حدیبیہ سے فارغ ہو کر مشرکین کے ساتھ تین شرائط قبول کر لیں تھیں اور مدینہ میں واپس تشریف لے گئے تھے اور عرصہ تک اس صلح پر آپ قائم رہے اور آپ ﷺ نے اس کو ہرگز نہیں توڑا بلکہ مخالفین نے توڑا۔ اس کے تمام عرصے کے دوران مسلمانوں اور کافروں کی کوئی کشمکش ہوئی ہے؟

ہمیں حدیث کی کتب بتاتی ہیں کہ بڑی زبردست کشمکش ہوئی ہے۔ اگر وہ کشمکش نہ ہوتی تو قرآن مجید میں جہاد و قتال کی بے شمار آیتوں کو اس عرصہ تک کے لیے معطل ماننا پڑتا لیکن اللہ کا کوئی حکم کبھی معطل نہیں ہو سکتا۔ اس کشمکش کے سرخیل ابو بصیر رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ کافروں کی قید سے چھوٹ کر اپنے آپ کو گرفتار کر کے لے جانے والے اللہ کے دو ناپاک دشمنوں کو جن میں سے ایک کو گھائل کر کے اور دوسرے کو مفرور کر کے نکل جاتے ہیں اور وہ بھاگنے والا نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے بچا لیں، مجھے مار دیا جائے گا۔ پیچھے ابو بصیر رضی اللہ عنہ بھی آ جاتے ہیں۔ کہتے ہیں: ((یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ عَوَّفَ اللّٰهُ ذِمَّتَكَ)) عہد ان کے ساتھ آپ ﷺ نے کیا تھا، میں نے نہیں کیا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنا عہد پورا کر دیا ہے اور اللہ نے آپ کو عہد پورا کرنے کی توفیق دی۔ ((وَأَنْجَانِيَ اللّٰهُ مِنْهُمْ)) ”اللہ نے مجھے اپنے فضل سے ان کے ہاتھوں سے نجات دے دی ہے۔“ آپ ﷺ کا عہد پورا کرنا الگ بات ہے اور میرا جان چھڑا کر نکل آنا اور اسلام کے لیے معرکے کرنا الگ بات ہے۔ ان کو آپس میں اللہ کے رسول ﷺ مت جوڑیے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”یہ تو لڑائی کی آگ بھڑکانے والا ہے۔“ انہوں نے محسوس کیا کہ مجھے دوبارہ پکڑ کر دشمنوں کے حوالے کر دیں گے، چپکے سے وہاں سے نکل گئے اور ساحل سمندر پر جا کر اپنا معسکر تیار کر لیا۔ یہ وہ معسکر تھا جسے میں ابو بصیر کا معسکر کہتا ہوں۔ علماء بتائیں کیا معسکر ابی بصیر کو اللہ کے

رسول اللہ ﷺ نے ختم کرنے کا حکم دیا۔ حالانکہ صلح کا زمانہ ہے، شرائط موجود ہیں اور اللہ کا فرمان ہے کہ آپ ﷺ صلح کرنے کے بعد اپنی شرائط کو مت توڑیے۔ وہ معسکر عرصے تک چلتا رہا اور کیا کام کرتا رہا۔ ((إِذَا أَسْلَمَ مِنْهُمْ رَجُلٌ لَحِقَ بِهِ)) جب کوئی اہل مکہ سے مسلمان ہوتا، اس کے ساتھ مل جاتا۔ سب سے پہلے ابو جندل رضی اللہ عنہ، ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے۔ اب یہ دو جرنیل بن گئے۔ دونوں کے پاس مکہ سے آنے والے لشکر اسلام کے مجاہدوں کی ایک قطار لگ گئی اور ایک بہت بڑا لشکر محمد یہ تیار ہو گیا۔ اس لشکر کا کام تھا کہ جب وہاں سے شام (کی طرف جانے یا وہاں سے آنے والا) کوئی قریشیوں کا قافلہ گزرتا، ان کا مال بھی لوٹتے، ان کی اقتصادیات کو بھی تباہ کرتے، ان کی دولت کو بھی ضائع کرتے، ان کی جانوں کو بھی برباد کرتے۔ ①

یہ چھاپہ مار کارروائیاں اللہ کے رسول ﷺ کے علم میں نہ تھیں؟ آپ ﷺ نے ان کی تصدیق فرمائی ہے، تردید نہیں فرمائی۔ اہل علم جانتے ہیں کہ کتاب اللہ کے بعد اللہ کی شریعت تین صورتوں میں نازل ہوئی ہے۔ ایک وہ جو اللہ کے رسول ﷺ کا قول ہے۔ دوسری اللہ کے رسول ﷺ کا فعل، تیسری شریعت جو اللہ کے رسول ﷺ کی تقریر ہے، یعنی جس کام پر آپ ﷺ راضی ہیں۔ یہ کام ہوتا رہا، چھاپہ مار کارروائیاں ہوتی رہیں، لشکر سارا کام کرتا رہا۔ لیکن اللہ کے رسول ﷺ اس پر راضی رہے حتیٰ کہ کافروں نے خود ہی تیسری شرط کو حذف کرنے کی درخواست کی اور نبی مکرم ﷺ کی طرف پیغام بھیجا:

((مَنْ جَاءَ مِنَّا إِلَيْكَ فَلَا تَرُدَّهُ إِلَيْنَا))

"آج کے بعد جو مسلمان ہو کر آپ ﷺ کے پاس آئے، مہربانی کر کے اسے ہماری طرف نہ لوٹائیے، اسے اپنے پاس رکھیں۔"

اللہ کے رسول ﷺ نے اس شرط کو قبول فرما لیا۔ ابو بصیر رضی اللہ عنہ کی تمام کارروائیوں، اس کے محاربات، اس کے اغارات، اس کے تمام افعال کی تائید فرما دی۔ یہ ہمارے پاس بہترین دلیل ہے تو معلوم ہوا کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لیے جو بھی کافروں سے جہاد و قتال کرے، مسلمانوں کا گروہ اس کے ساتھ ہو جائے، وہ دراصل ایک شرعی فرض کی تعمیل کر رہا ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح نماز، روزہ اور دیگر فرائض کی ہر حالت میں تعمیل کی جاتی ہے۔ چاہے خلافت ہو یا نہ ہو، وہ کسی نہ کسی قائد اور امیر کی قیادت میں جہاد جاری رکھتے ہیں جو انہیں جہاد و قتال پر جمع کرے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ جہاد و قتال کے بارے میں ہمارے ذہنوں کو صاف کرے۔ آمین!

☆☆☆

جہاد اور اذن حکومت

کفار ومشرکین کا معاملہ تو سمجھ آتا ہے کہ وہ جہاد ومجاہدین کی مخالفت اس لیے کرتے ہیں کہ اس میں ان کی بچت ہے مگر بعض وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں، ان کی طرف سے یہ پراپیگنڈہ ناقابل فہم ہے۔ کیا ان لوگوں کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان ویقین نہیں؟ یاد رہے کہ غلطی سے کوئی بات ہو جائے تو اس کی اصلاح ضروری ہے اور اگر علم ہو جانے کے بعد قرآن وحدیث کی مخالفت ہو تو یہ غلطی نہیں بلکہ اسلام دشمنی ہوتی ہے، ایسے لوگوں کو اللہ سے ڈرنا چاہیے اور توبہ کر کے اپنے آپ کو کفار ومشرکین کی ہمنوائی سے نکال کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جماعت میں کھڑا ہونا چاہیے جن کا راستہ صرف دعوت وجہاد ہے۔

بڑے دکھ کی بات ہے کہ ان لوگوں نے جہاد جیسے فریضے پر جو اسلام کی کوہان ہے، اعتراض وارد کر کے اور شکوک وشبہات پھیلا پھیلا کر اس کی فرضیت (اس دور میں) اور اس کے اجراء کو ہی محل نظر بنا دیا ہے۔ ایسے لوگوں کو ناطق وحی سید الانبیاء جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سمجھ لینا چاہئے:

«لَنْ يَبْرَحَ هَذَا الدِّيْنُ قَائِمًا ، يُقَاتِلُ عَلَيْهِ عِصَابَةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ، حَتَّى تَقُوْمَ السَّاعَةُ» [1]

''یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا۔ مسلمانوں کا ایک گروہ اس بنیاد پر لڑتا رہے گا حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے۔''

دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے بتایا کہ جہاد کی مخالفت کرنے والے مخالفت بھی کریں گے مگر:

«لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ» [2]

''مخالفت کرنے والے مجاہدین کا نقصان نہیں کر سکیں گے۔''

اسی طرح کی احادیث سے ایسے لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ ہمارا تو عقیدہ ہے کہ ایک طرف ساری دنیا ہو دوسری طرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فرمان ہو تو ساری دنیا غلط ہو سکتی مگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فرمان کبھی غلط نہیں ہو سکتا تو جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ فرما رہے ہیں کہ یہ قیامت تک جاری رہے گا اور ایک گروہ قتال کرتا رہے گا تو پھر مخالفت کر کے اپنے ایمان کا کیوں بیڑہ غرق کیا جائے۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِكَ)

جہاد کے خلاف پھیلائے جانے والے اعتراضات میں سے ایک بڑا اعتراض یہ ہے کہ حکومت کی اجازت کے بغیر جہاد نہیں ہوتا......

بلکہ خاکم بدھن یہاں تک کہا گیا کہ حکومت کی اجازت کے بغیر جہاد فساد ہے۔(استغفراللہ) ذیل میں اس اعتراض پر ایک تحقیقی نظر ڈالتے ہیں کہ کیا یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟ کتاب وسنت اس بارے میں کیا راہ نمائی دیتی ہے؟

عمل کے معاملہ میں انسان کی سوچ اور عقیدے کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ آج کے دور میں اسلام کے عقائد کو جمہوری نظام نے بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ جمہوری نظام یہ ہے کہ کوئی بھی بات اس وقت تک قابل عمل ونفاذ نہیں جب تک پارلیمنٹ اسے پاس نہ کردے۔ پارلیمنٹ اسے پاس کرے تو پھر وہ قانون ہے، اس پر جزا وسزا لاگو ہو جاتی ہے۔ اس سوچ نے مسلمانوں کے دماغ اتنے مسموم کیے ہیں کہ آسمانی شریعت پر عمل اور اس کے نفاذ کو بھی پارلیمنٹ کی منظوری کا محتاج بنایا گیا ہے۔ معاذ اللہ، اگر بل پارلیمنٹ میں پاس ہو جائے تو پھر شریعت قابل عمل ورنہ اس کی حیثیت کچھ نہیں۔ ایک طرف یہ سوچ ہے جس نے ہمارے ذہنوں کو اتنا متاثر کیا ہے کہ اللہ کے احکام اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر عمل کے لیے حکمرانوں اور حکومتوں کی طرف دیکھتے ہیں۔ دوسری طرف اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت فرض ہے:

﴿ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ [1]

”مومن کا قول جب اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ وہ کوئی حکم دیں تو صرف یہ ہونا چاہیے کہ ہم نے سنا اور ہم اطاعت پر کمربستہ ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔“

الاتقان میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ”ہم (صحابہ کرام) کو ایمان پہلے ملا تھا اور قرآن بعد میں ملتا تھا“...... مطلب یہ ہے کہ ہم نے پہلے ذہن پختہ کر لیا تھا، عقیدہ بنا لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا جو بھی حکم آئے گا ہم نے اسے پورا کرنا ہے۔ اس عقیدے کے بعد جو بھی حکم ملتا ہم فوراً کر گزرتے گویا کہ مجبوری یہ قرار پائی کہ ہم اللہ کے حکم سے پیچھے نہیں رہ سکتے، وہ ہمارا رب ہے۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ سیدنا عمر وسیدنا عثمان رضی اللہ عنہما نے جب حج کے دنوں میں عمرہ کی ادائیگی پر پابندی لگائی تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی کہہ اٹھے:

((ءَ أَمْرُ أَبِي يُتَّبَعُ أَمْ أَمْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ......))

”کیا میرے باپ کا حکم مانا جائے گا یا رسول اللہ کا؟“

آج ہم مسلمان عموماً جب شرائع اسلام کا معاملہ آتا ہے تو اسی جمہوری سوچ کی بنیاد پر متردد ہو جاتے ہیں۔ آپ غور کریں حکومت نے ضیاء دور میں نماز پڑھنے کا حکم جاری کیا صلوٰۃ کمیٹیاں بنائیں تو نماز بڑی کثرت سے ادا کی جانے لگی جب حکومت نے یہ کام چھوڑ دیا تو نماز بھی گئی الا ماشاءاللہ۔ سوچنے والی بات یہ ہے کہ کیا اب نماز اللہ کا حکم نہیں رہا؟

مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو عقیدہ بنانا چاہیئے کہ اللہ کے احکام پر عمل حکمرانوں کی اجازت کا محتاج نہیں۔ جس طرح نماز، روزہ، حج مسلمان براہ راست کرتے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ حکمران کرتے ہیں یا نہیں بلکہ اگر حکمران نہ کریں تو انہیں برا سمجھا جاتا ہے اور عمل کو اچھا سمجھا جاتا ہے اسی طرح جہاد کا حکم بھی براہ راست مسلمانوں کو ہے اللہ نے اہل اسلام کو مجموعی حکم دے رکھا ہے جبکہ جہاد کے بارے میں تو آیت

ہی بہت سخت ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَ أَبْنَاؤُكُمْ وَ إِخْوَانُكُمْ وَ أَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيرَتُكُمْ وَ أَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَآ أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِينَ ﴾ [1]

"اے نبی (ﷺ)! کہہ دیں اگر تمہارے آباء، اولادیں، بہن بھائی، بیویاں، برادری، قبیلہ، مال جو تم کماتے ہو اور کاروبار جن کے نقصان سے ڈرتے ہو، گھر جنہیں پسند کرتے ہو اگر یہ تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور جہاد کے مقابلہ میں زیادہ عزیز ہیں تو پھر انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ کا حکم آ جائے اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔"

اس آیت پر غور کریں یہاں اللہ تعالیٰ نے جہاد کو اپنے اور اپنے رسول کے ساتھ رکھ کر اس کے لیے سب کچھ قربان کرنے کو اپنی اور اپنے رسول کی محبت قرار دیا ہے۔ حکمران اگر کہیں کہ اللہ پر ایمان چھوڑ دو، اس کے رسول پر ایمان چھوڑ دو تو کیا ان کی بات مان لی جائے گی؟ ہرگز نہیں! تو اسی طرح جہاد ہے۔ حکم جہاد پر غور تو کریں: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ﴾ "تمہارے اوپر قتال فرض کر دیا گیا" ﴿مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ﴾ "تمہیں کیا ہے تم لڑتے نہیں۔" ﴿قَاتِلُوهُمْ﴾ "ان سے لڑو" کتنے واضح اور دوٹوک احکام ہیں تو اسلام کے عقیدے کے مطابق یہ سوچ بنانا چاہیے کہ ہم پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت فرض ہے، اس کے لیے کسی سے اجازت لینے کا سوال ہی کیا؟ اگر کوئی منع بھی کرے تو بھی نہیں رکنا۔ اللہ پر ایمان یہ ہے کہ اس کا حکم مانا جائے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ حکمرانوں کی اطاعت کا بھی تو اللہ نے ہی حکم دیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حکمرانوں کی یا کسی کی بھی اطاعت صرف معروف میں ہے یعنی اس وقت تک ہے جب تک ان کے احکام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق ہوں اگر حکمران کوئی ایسا حکم جاری کریں جس سے اللہ کی نافرمانی لازم آتی ہے تو پھر اسلام کا یہ اصول ہے:

«لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ» [1]

"اللہ عزوجل کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہوگی۔"

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ مسلمان پر سمع وطاعت لازم ہے خواہ اسے پسند ہو خواہ ناپسند:

«إِلَّا أَنْ يُؤْمَرَ بِمَعْصِيَةٍ فَإِنْ أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ» [2]

"سوائے اس صورت کے کہ اسے نافرمانی کا حکم دیا جائے اگر نافرمانی کا حکم دیا جائے تو پھر کوئی سمع وطاعت نہیں۔"

ہمارے ہاں تقلیدی مزاج نے بھی اسلامی عقیدہ کو بہت متاثر کیا ہے۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جب اللہ کا حکم اور رسول ﷺ کی حدیث بیان کی جائے تو لوگ پوچھتے ہیں کسی بزرگ کا بھی اس طرح کا قول ہے؟ خصوصاً یہ پراپیگنڈہ کہ ہم قرآن وحدیث نہیں سمجھ سکتے ہمیں جو بزرگ بتائیں گے وہ مانیں گے، اس سوچ نے بھی اطاعت اور براہ راست اطاعت کا جذبہ وشوق متاثر کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے عقائد

محفوظ ومضبوط کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے بہتر (۷۲) فرقے بنے اور میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ایک حدیث یہ بھی ہے کہ اسلام کا صرف نام رہ جائے گا اور قرآن کی صرف رسم رہ جائے گی۔ایک حدیث اس طرح بھی ہے کہ ایسا وقت ہوگا کہ اسلام پر چلنا اتنا مشکل ہوگا جتنا ہاتھ میں انگارہ پکڑنا۔ایسے حالات میں کہاں اسلامی حکومت اور کہاں خلافت وامارت حتیٰ کہ جب یاجوج ماجوج زمین پر پھیلے ہوں گے،ایسے حالات میں بھی نبی اکرم ﷺ کی حدیث کے مطابق ایک گروہ دین کی بنیاد پر جہاد کرتا رہے گا۔جیسا کہ حدیث اوپر دی گئی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ایمان والو! یہود ونصاریٰ کے پیچھے نہ لگنا وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں کفر میں واپس لے آئیں۔وہ تو یہ بھی پسند نہیں کرتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی خیر نازل ہو۔سورۃ آل عمران میں تو یہاں تک فرمایا کہ مومن کافروں کو دوست نہ بنائیں:

﴿ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ ﴾①

''جو کفار سے دوستی لگائے گا اللہ کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں۔''

﴿ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقَاةً وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ ﴾②

''تمہاری حیثیت اس صورت میں ہے کہ ان سے مکمل طور پر بچو اور اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے۔''

ان احکامات کی روشنی میں جہاد کو روکنے والے تو کفار ہیں:

﴿ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَ أَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ﴾③

''کافر چاہتے ہیں کاش تم اپنے اسلحہ وساز وسامان سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر یکبارگی حملہ کریں۔''

اگر یہ کفار اپنی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے حکمرانوں کو خرید لیتے ہیں اور حکمران ان کے دباؤ میں ان کے اشاروں پر چلیں اور ان کی پالیسیاں چلائیں تو کیا ایسی صورت میں ان کو اللہ اور اس کے رسول کا حکم سامنے رکھنا چاہیے یا کفار کی پسند؟ جبکہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ نے فرمایا ''یہ اہل کتاب ذلیل وخوار ﴿إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ سوائے اس صورت کے کہ یہ اسلام قبول کرلیں یا مومنوں سے رابطہ بڑھا کر انہیں غدار بنالیں اور ان کے ذریعے اپنی چالیں چلیں۔'' جیسا کہ آج کل مسلم حکمران یہود ونصاریٰ کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں اور اپنے مقصد اللہ کی حاکمیت قائم کرنیکی بجائے کفار کے ورلڈ آرڈر چلا رہے ہیں۔اللہ کی قسم! خلافت وحکمرانی نبوت کی جانشینی ہے جس طرح منصب نبوت اللہ کے دین کے قیام کا ہدف رکھتا ہے اسی طرح خلافت وحکومت بھی زمین پر اللہ کے دین کے قیام کی ذمہ دار ہے مگر آج یہود ونصاریٰ اور دیگر کفار نے زر، زن اور اقتدار کے نشہ میں مسلم حکمرانوں کے عقیدے بُری طرح بگاڑ دیے ہیں۔ایسے میں ان کفار کے نیچے دبے ہوئے حکمرانوں کے کہنے سے امت قرآن وسنت کو چھوڑ دے اور راہ کفر اختیار کرلے تو قرآنی

تعلیمات کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَ إِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّةٌ، يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ، وَ يُتَّقَى بِهِ، فَإِنْ أَمَرَ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَعَدَلَ، كَانَ لَهُ بِذٰلِكَ أَجْرٌ، وَ إِنْ يَأْمُرْ بِغَيْرِهِ، كَانَ عَلَيْهِ مِنْهُ))[1]

''امام ایک ڈھال ہے اس کے پیچھے لڑا جاتا ہے اور اسی سے بچاؤ کیا جاتا ہے تو اگر وہ تقویٰ وانصاف کا حکم دے تو اسے اجر ملے گا اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور قسم کا حکم دے تو اس پر اس کا وبال ہوگا۔''

اس حدیث سے بعض لوگ یہ دلیل نکالتے ہیں کہ حکمران کے بغیر جہاد نہیں ہو سکتا۔ حکومت اجازت دے تو پھر اس حدیث کے مطابق درست ہے ورنہ نہیں اور جہاد وقتال حکومت کا کام ہے۔ انصاف سے اس بات کو بھی سمجھیں اور پھر حدیث کا معنی اور مفہوم بھی بار بار پڑھیں۔ حدیث کا آخری حصہ بھی ساتھ ملائیں اور سوچیں کیا اس حدیث کا مطلب یہ ہو سکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث میں تو حکومت کی ذمہ داری کا تعین ہو رہا ہے: ((إِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّةٌ)) ''امام ایک ڈھال ہے۔'' یہ جملہ خبریہ ہے، اب اس کا مطلب کیا ہے؟ مطلب سمجھانے کے لیے آگے بھی جملہ خبریہ اس کی تشریح کر رہا ہے کہ امام کے پیچھے لڑا جاتا ہے اور دشمنوں سے بچاؤ کیا جاتا ہے۔ لہٰذا حکمران امت کے لیے ڈھال ہوتا ہے۔ امت کو دین کے لیے لڑائیں اور کفار سے بچائیں ان کے رسم و رواج اور اسلامی تہذیب وثقافت کو اور آگے والا جملہ تو بات کو بہت واضح کر دیتا ہے کہ اگر حکمران تقویٰ اور انصاف کا حکم دے تو پھر وہ اجر کا حقدار ہے اور اگر کسی اور راستے پر چل نکلے تو...... اس بات کو سمجھنے کے لیے کچھ اور احادیث سے مدد لیتے ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر تیار کیا اور ان پر ایک انصاری (عبداللہ بن حذیفہ سہمی رضی اللہ عنہما) کو امیر بنایا اور لشکر کو حکم دیا کہ اس کی اطاعت کرنا وہ کسی بات پر ناراض ہو گئے اور کہنے لگے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اطاعت کا حکم دیا ہے نا؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں تو کہا ''میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں کہ لکڑیاں جمع کر کے جلاؤ اور اس میں چھلانگیں لگا دو۔'' انہوں نے لکڑیاں جمع کیں، انہیں جلایا، جب چھلانگیں لگانے لگے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور کہنے لگے آگ سے بچنے کے لیے تو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی ہے تو کیا پھر آگ میں داخل ہو جائیں؟ اس بحث ومباحثہ میں آگ بجھ گئی اور امیر کے غصے کی آگ بھی ٹھنڈی ہو گئی۔ جب واپس آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَوْ دَخَلُوْهَا مَا خَرَجُوْا مِنْهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ))[1]

''اگر یہ آگ میں داخل ہو جاتے تو اس سے کبھی باہر نہ نکل پاتے۔''

((إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ))[1]

''اطاعت صرف معروف میں ہوتی ہے۔''

اندازہ لگائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی حکم دیا تھا کہ ان کی اطاعت کرنا پھر بھی صحابہ کرام نے صرف اپنے اجتہاد سے اپنی فقاہت

استعمال کرتے ہوئے حکم نہیں مانا تو آپ ﷺ نے حکم ماننے کی صورت میں کتنی سخت وعید سنائی اور پھر اصول بتایا کہ اطاعت ہر حکم میں نہیں صرف معروف میں ہوگی۔ اسی طرح میں حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے حدیث ہے:

« یَکُونُ بَعدِی أَئِمَّةٌ لَا یَهتَدُونَ بِهُدَایَ، وَلَا یَستَنُّونَ بِسُنَّتِی، وَ سَیَقُومُ فِیهِم رِجَالٌ قُلُوبُهُم قُلُوبُ الشَّیَاطِینِ فِی جُثمَانِ إِنسٍ »[2]

''میرے بعد ایسے حکمران آجائیں گے جو میری لائی ہوئی ہدایت سے راہ نمائی نہیں لیں گے اور نہ میری سنّت کو اختیار کریں گے۔ ان میں ایسے افراد بھی اٹھ کھڑے ہوں گے جن کے دل شیاطین کے دل ہوں گے انسانی جسموں میں۔''

غور کریں یہ بھی تو حکمران ہیں۔ امام نووی نے لکھا:

« قَالَ الْعُلَمَاءُ هٰؤُلَاءِ مَنْ کَانَ مِنَ الْأُمَرَاءِ یَدْعُوا اِلیٰ بِدْعَةٍ أَوْضَلَالٍ آخَرٍ »

''علماء کہتے ہیں یہ وہ حکمران ہیں جو بدعات یا اور قسم کی گمراہیوں کی طرف بلانے والے ہوں گے۔''

حذیفہ رضی اللہ عنہ کی مزید ایک اور حدیث میں ہے:

« دُعَاةٌ إِلَی أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَیهَا قَذَفُوهُ فِیهَا »[3]

''آپ نے فرمایا وہ جہنم کے دروازوں پر کھڑے دعوت دے رہے ہوں گے جو ان کی بات قبول کرے گا اسے وہ اس جہنم میں پھینک دیں گے۔''

امام نووی رحمہ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں اوپر والی بات لکھی ہے۔ یہ زمانہ فتن والی احادیث اور مندرجہ بالا قرآن وحدیث کے دلائل سے یہ بات اظہر من الشّمس ہو جاتی ہے کہ حکمرانوں کو بھی خبردار کیا گیا ہے۔ آخر یہ احادیث حکمرانوں اور حکومتی عہدیداروں کے لیے بھی تو ہیں وہ بھی کلمہ گو ہیں کہ وہ جہنم کے داعی اور انسانی حلیوں میں شیطانی دل لے کر نبی ﷺ کی ہدایت وسنت سے اپنے راستے الگ نہ کریں بلکہ اپنے منصب کو نبوت کی نیابت اور جانشینی سمجھیں اور دین کے لیے ڈھال بن کے رہیں، اپنی صلاحیتوں وطاقت اور ریاستی مشینریوں کو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے استعمال کریں نہ کہ اسلام اور اہل اسلام کی بجائے کفر وشرک کے لیے ڈھال بن کر وہ کام کریں جو سارے کافر مل کر بھی نہیں کر سکتے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

« أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّی یَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ »[1]

''مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں حتیٰ کہ وہ توحید ورسالت کی گواہی دیں۔ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اگر ایسا کریں گے تو اپنے مال اور خون مجھ سے بچا لیں گے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

« وَ إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِى أَنْ أُحَرِّقَ قُرَيْشًا، فَقُلْتُ: رَبِّ! إِذًا يَثْلَغُوا رَأْسِى فَيَدَعُوهُ خُبْزَةً، فَقَالَ: اسْتَخْرِجْهُمْ كَمَا اسْتَخْرَجُوكَ، وَاغْزُهُمْ نُغْزِكَ، وَأَنْفِقْ فَسَنُنْفِقُ عَلَيْكَ، وَابْعَثْ، جَيْشًا نَبْعَثْ خَمْسَةً مِثْلَهُ، وَقَاتِلْ بِمَنْ أَطَاعَكَ مَنْ عَصَاكَ »[2]

''اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں قریش کو جلا کر رکھ دوں، میں نے عرض کیا: اے میرے رب! وہ تو میرا سر توڑ ڈالیں گے، روٹی کی طرح اس کے ٹکڑے کر دیں گے، انہیں نکال دوں جیسا کہ انہوں نے مجھے نکالا، پس اللہ نے کہا ان سے لڑ ہم تیرے ساتھ لڑیں گے اور اس راہ میں خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا، لشکر کھڑے کر ہم اس جیسے پانچ لشکر تیرے ساتھ کھڑے کریں گے، جو تیری اطاعت میں آ گئے انہیں لے کر نافرمانوں سے قتال کر۔''

دیکھ لیں اللہ نے نبی ﷺ کو کس شدت سے قتال و جہاد کا حکم دیا قرآن و حدیث بھرے پڑے ہیں ۔اسلام کے احکام سے تو حکمرانوں کا منصب و ذمہ داری بھی یہی ہے۔ یہ حدیث تو اس ذمہ داری کا احساس دلانے کے لیے ہے نہ کہ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اگر حکمران اللہ کے نافرمان بن جائیں، یہود و نصاریٰ کے فرمانبردار بن جائیں تو پوری امت و قوم ہی اس طرح کی ہو جائے۔

علماء کو انبیاء کا وارث علمی طور پر قرار دیا گیا۔علماء کا حق ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں حکمرانوں کی اصلاح کریں۔اپنے آپ کو نبی کا وارث سمجھیں اور اللہ کا سپاہی سمجھیں۔حکمرانوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اپنی اصلیت نہ چھوڑیں۔دکھ کی بات ہے کہ آج اہل علم کے عقیدے اور ہمتیں بھی اتنی پست ہیں کہ اسلام کو اجاگر کرنے کی بجائے غیر مسلموں کے نظاموں اور حکمرانوں کی باتوں کو اسلامی لیبل مہیا کرنے والے بن چکے ہیں۔اللہ معاف فرمائے۔

مذکورہ دلائل سے ہٹ کر ایک دو واضح دلائل جو عہد نبوی ﷺ میں پیش آئے اور جہاں بغیر اجازت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جہاد کیا اور نبی اکرم ﷺ نے سکوت فرمایا بلکہ خوشی کا اظہار بھی فرمایا......ان سے واضح ہوگا کہ حکومت کی اجازت صرف ایک خطوہ شیطانی والی بات ہے، علم و تحقیق کے بالکل خلاف ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الشروط میں حدیبیہ والی حدیث ذکر کی ہے۔اس میں ہمارے سامنے مقصود مسئلہ یہ ہے کہ آپ نے معاہدہ کر لیا تھا کہ اگر کوئی مسلمان مکہ سے مدینہ آ گیا تو اسے واپس کر دیا جائے گا۔کافروں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ابھی یہ معاہدہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ ابو جندل رضی اللہ عنہ جو کہ کفار کی طرف سے معاہدہ کے ڈائریکٹر سہیل بن عمرو کے بیٹے تھے آ گئے۔انہوں نے واپسی کا کہا آپ ﷺ نے فرمایا ''ابھی تو فیصلہ لکھا نہیں گیا۔'' مگر انہوں نے اصرار کیا۔آپ ﷺ نے انہیں ان کے حوالے کر دیا۔بعد میں قریش کے ایک شخص ابو بصیر عقبہ بن اسید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس مدینہ آ گئے تو کافروں نے دو آدمی خنیس بن جابر اور اس کے مولیٰ کو اخنس بن شریق اور ازہر بن عبد عوف کے خط کے ساتھ بھیجا کہ اسے معاہدہ کے مطابق واپس کر دو۔ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے پیچھے تین دن بعد یہ بھی مدینہ آ گئے۔آپ ﷺ نے جناب ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ جانتے ہیں ہم نے قوم سے معاہدہ کیا ہوا ہے، آپ چلے جائیں......ابو بصیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے آپ مجھے مشرکین میں واپس بھیج رہے ہیں، وہ میرے دین کے معاملے میں مجھے فتنہ میں ڈال دیں گے اور مجھے عذاب دیں گے۔فرمایا صبر کرو اور

یقیناً اللہ تعالیٰ کوئی راستہ نکالے گا۔تو پاس عمر رضی اللہ عنہ تھے انہوں نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے (علیحدگی میں کہا):

((اَنْتَ رَجُلٌ وَھُوَرَجُلٌ وَ مَعَكَ السَّیْفُ))

''تو بھی مرد ہے یہ بھی انسان ہے اور تیرے ساتھ تلوار بھی ہے۔''

غور کریں عمر رضی اللہ عنہ جس شخص کی رائے پر قرآن اترا کرتا تھا، کتنا واضح اشارہ کر رہے ہیں۔ واپسی شروع ہوئی۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر وہ اترے، ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے مسجد میں دو رکعتیں پڑھیں اور کھانا کھانے لگے، تو ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ایک سے کہا یہ ذرا تلوار دکھانا۔ اس نے دی انہوں نے میان سے نکال کر دیکھا پھر ایک کو اچانک وار کر کے قتل کر دیا اور دوسرا جو مولیٰ تھا آزاد کردہ غلام، وہ بھاگ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گیا۔ وہیں ابو بصیر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے اور کہنے لگے ''اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا وعدہ پورا کر دیا، میں جانتا ہوں کہ اگر میں ان کے ساتھ گیا تو یہ مجھے فتنہ میں ڈال دیں گے، میں نے یہ جو کام کیا ہے اپنی مرضی سے کیا۔'' اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((لَو کَانَ لَهٗ اَحَدٌ)) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس کا معنی کرتے ہوئے لکھا ''کاش کوئی اس کو مدد وحمایت اور قوت دینے والا ہو۔'' پھر سیدنا ابو بصیر رضی اللہ عنہ چلے گئے اور بنو سلیم کے علاقہ کے قریب مدینہ کے متوازی، عیص ساحل سمندر پر اس راستے پر ڈیرہ لگا لیا جو مکہ والے شام کے سفر میں اختیار کرتے اور تجارت کرتے تھے۔ ادھر ابو جندل رضی اللہ عنہ دوبارہ تقریباً ستر افراد مسلمان لے کر ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے آ ملے اور یہ ایک جماعت بن گئی پھر یہ قریش کے ہر قافلے جس کے بارے میں سنتے سامنے آتے، انہیں قتل کر دیتے اور سامان لوٹ لیتے۔ اس طرح پھر وقت آیا کہ قریش نے ابو سفیان کو بھیجا اس نے اللہ اور رشتہ داری کے واسطے دے کر کہا کہ انہیں بلا لو، ہماری طرف سے جو بھی آئے اسے اپنے پاس ہی رکھنا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بندہ بھیجا اور ایک روایت کے مطابق خط بھی دیا کہ آ جاؤ۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط آیا تو ابو بصیر رضی اللہ عنہ قریب الموت تھے۔ خط ہاتھ میں پکڑا تھا کہ موت آ گئی۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ نے انہیں وہیں دفن کیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر مدینہ آ گئے۔ [1]

اس حدیث پر غور کریں ابو بصیر رضی اللہ عنہ کا یہ سارا جہاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر تھا۔ فتح الباری میں لکھا ہے کہ جب ابو سہیل بن عمرو کو پتہ چلا کہ ہمارا بندہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا تو اس نے دیت کا مطالبہ کرنا چاہا تو ابو سفیان نے اسے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ انہوں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور انہیں تمہارے ایلچیوں کے حوالے کر دیا تھا اور ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ان کے حکم سے قتل نہیں کیا اور نہ ہی ابو بصیر کے خاندان سے مطالبہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ ان کا وہ دین نہیں ہے۔ [2]

اب حکومت کے بغیر جہاد کو فساد کہنے والے ابو بصیر، ابو جندل اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں کیا فتویٰ دیں گے؟ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سارے معاملے کو سامنے دیکھنے کے باوجود منع نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقریری حدیث سے ثابت ہے کہ اجازت حکمران وامیر کے بغیر بھی جہاد بالکل درست ہے، کفار ومشرکین کی ظالمانہ شرطیں اسی جہاد سے ٹوٹی تھیں اور جیسا کہ اوپر گزرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی کے اس عمل پر اطمینان وخوشی کا اظہار بھی فرمایا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ایلچی بنا کر بصریٰ کے حکمران کے پاس بھیجا تو قیصر روم کے گورنر شرجیل بن عمرو نے انہیں شہید کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی کا بدلہ لینے کے لیے تین ہزار کا ایک لشکر تیار کیا اور اس پر تین امیر مقرر فرمائے۔ پہلے

امیر تھے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ یہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور یہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، اسے غزوہ موتہ کہا جاتا ہے۔ یہ غالباً سات آٹھ ہجری میں ہوا۔ صحیح بخاری میں انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران معرکہ ہی اس کے بارے میں صحابہ کو بتانا شروع کر دیا (کیونکہ آپ پر وحی نازل ہوتی تھی اور یہ اللہ کے بتانے سے ہی بیان کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کی خبریں وحی کے ذریعے بھی نازل ہوتی رہیں) فرمایا علم جہاد زید رضی اللہ عنہ نے پکڑا وہ شہید کر دیے گئے پھر جعفر رضی اللہ عنہ نے پکڑا وہ شہید ہو گئے پھر ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے پکڑا وہ بھی شہید ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بھی بہہ رہے تھے پھر اللہ کی تلواروں سے ایک تلوار (خالد بن ولید رضی اللہ عنہ) نے جھنڈا پکڑا تو اللہ نے فتح عطا فرما دی۔ اب فتح الباری میں ہے کہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

«ثُمَّ أَخَذَ اللِّوَاءَ خَالِدُ بْنُ وَلِيْدٍ وَلَمْ يَكُنْ مِّنَ الْأُمَرَاءِ وَهُوَ أَمِيْرُ نَفْسَهُ»

''پھر خالد رضی اللہ عنہ نے جھنڈا پکڑا اور وہ مقرر نہیں کیے گئے، وہ خود ہی امیر بن بیٹھے۔''

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ هُوَ سَيْفٌ مِنْ سُيُوفِكَ فَانْصُرْهُ»[1]

''اے اللہ! یہ تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے تو اس کی مدد فرما۔''

یہی حدیث کتاب الجہاد میں ہے تو وہاں یہ وضاحت ہے:

«ثُمَّ اَخَذَهَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ مِنْ غَيْرِ إِمْرَةٍ»

''پھر جھنڈا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پکڑ لیا اور انہیں امیر نہیں مقرر کیا گیا۔''

اس حدیث میں بھی غور کریں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بغیر اجازت آگے بڑھے اور جہاد کیا اور اللہ نے فتح عطا فرمائی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس دن 9 تلواریں میرے ہاتھ سے ٹوٹی تھیں۔ صحیح مسلم، سنن ابو داؤد میں ہے، عوف بن مالک الاشجعی کہتے ہیں کہ میں بھی غزوۂ موتہ میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ گیا اور یمن سے مدد دینے والا ایک شخص بھی میرے ساتھ ہو لیا، اس کے پاس سوائے تلوار کے اور کچھ نہ تھا۔ ایک مسلمان نے اونٹ قربان کیا تو اس نے تھوڑا سا چمڑا لے کر اس کی ڈھال سی بنا لی۔ جب رومیوں سے مقابلہ ہوا تو ایک رومی سرخ اونٹ پر سونے سے مرصع زین اور سونے سے مرصع اسلحہ لیے آیا اور مسلمانوں کو کاٹنے لگا، وہ بدوی ایک چٹان کے پیچھے اس کی گھات میں بیٹھ گیا۔ جب وہ رومی اس کے پاس سے گزرنے لگا تو اس نے اس کی ٹھوڑی کو کاٹا اور اس رومی کے اوپر چڑھ کر اسے قتل کر دیا اور گھوڑا اور ہتھیار قبضہ میں لے لیے۔ جب اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس بدوی سے وہ مال غنیمت واپس لے لیا اور عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں خالد! کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے کہ سلب قاتل کو ملے گا۔ فرمایا ہاں! لیکن میں نے اسے بہت زیادہ سمجھا ہے۔ میں نے کہا ''اسے واپس دو ورنہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاؤں گا۔'' تو خالد نے انکار کر دیا۔ جب واپس آئے تو عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدوی والا واقعہ بھی بتایا اور خالد والا کام بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد رضی اللہ عنہ سے کہا ''ایسا کیوں کیا؟'' تو خالد رضی اللہ عنہ نے کہا ''میں نے اسے زیادہ سمجھا تھا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا ’’واپس کر دو تو‘‘ میں نے خالد رضی اللہ عنہ سے کہا خالد دیکھ لو میں نے جو کہا کر دکھایا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے سنا تو پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ سب نے بتایا تو رسول اللہ ﷺ غصہ میں آ گئے۔ فرمایا ’’خالد! نہ واپس کرو‘‘ اور فرمایا:

((هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُونَ لِي أُمَرَائِي))[1]

’’کیا تم میرے امراء کو بھی معاف نہیں کرتے۔ تمہارے لیے بہتری ہو ان کے لیے پریشانی؟‘‘

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے خالد رضی اللہ عنہ کو جو بغیر اجازت اور حکم کے خود بخود امیر بنے اور جہاد کیا، اپنا امیر قرار دیا اور ان کی حمایت کی اور حوصلہ افزائی فرمائی۔

عقبہ بن مالک نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَعَجَزْتُمْ إِذْ بَعَثْتُ رَجُلًا مِّنْكُمْ فَلَمْ يَمْضِ لِأَمْرِي أَنْ تَجْعَلُوا مَكَانَهُ مَنْ يَمْضِي لِأَمْرِي؟))[2]

’’کیا تم اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ جب میں کسی شخص کو متعین کروں اور وہ میرا حکم نافذ نہ کرے تو تم اس کی جگہ کسی ایسے شخص کو کھڑا کر لو جو میرے حکم کو جاری کرے۔‘‘

اس حدیث میں کس قدر وضاحت ہے کہ نبی ﷺ کا مقرر کردہ بھی اگر نافرمانی کرے تو تم فرمانبرداری کے لیے اپنے طور پر اٹھ کھڑے ہو۔ یہ تقریری اور حکمی روایات اس بات پر کھلی دلالت کرتی ہیں کہ اذنِ حکومت کوئی مسئلہ نہیں بلکہ مسئلہ تو اللہ کے حکم اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو جاری کرنا ہے۔

تنبیہ:

بعض لوگ والدین کی اجازت کو بھی مسئلہ بنا لیتے ہیں اس کے متعلق بھی فتح الباری میں روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا افضل اعمال کون سے ہیں؟ فرمایا ’’نماز‘‘ پوچھا: پھر فرمایا ’’جہاد‘‘ کہا میرے ماں باپ ہیں فرمایا ’’میں حکم دیتا ہوں ان سے اچھا سلوک کرو۔‘‘ کہنے لگے:

((وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ نَبِيًّا لَأُجَاهِدُ وَلَأَتْرُكَنَّهُمَا))

’’اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو سچا نبی بنا کر بھیجا! میں جہاد کروں گا اور انہیں چھوڑ جاؤں گا۔‘‘

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّكَ اَعْلَمُ)) ’’تو بہتر جانتا ہے۔‘‘ [1]

مسئلہ یہ ہے کہ جہاد جب فرض عین ہو جائے تو اللہ کے حکم پر اٹھ کھڑے ہونا ہی مسلمان کا شیوہ ہونا چاہیے پھر کسی کی اجازت کوئی مسئلہ نہیں۔ اللہ ہمیں حق قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!!

جاوید غامدی کا خودساختہ ''قانون جہاد''

دین اسلام کے دفاع ونفاذ کے لیے جہاد کی مسلمہ اہمیت کے پیش نظر اسے افضل الاعمال کا درجہ عطا ہوا ہے لیکن ایک عرصہ سے جہاد جیسا چوٹی کا عمل بہت سے افراد واحزاب کی افراط وتفریط کا تختۂ مشق بنا ہوا ہے۔ایک طرف آپ کو ایسے مسلمان بھی دیکھنے کو ملیں گے جو جہاد کے نام سے دہشت گردی کو فروغ دے کر غیر شعوری طور پر اسلام کی اعلیٰ اخلاقیات پر نکتہ چینی کا موقع فراہم کر رہے ہیں جبکہ دوسری طرف بہت سے نام نہاد مسلمان اپنے خودساختہ قوانین اور قیاسات وتاویلات کے ذریعے کسی طرح سے جہاد کی تعطیل وتنسیخ کے درپے ہیں۔حالانکہ! جس طرح جہاد کا صحیح شعور رکھنے والے اسے دہشت گردی سے ملوث کرنے کا تصور نہیں کر سکتے، اسی طرح اسلامی نکتہ نگاہ سے جہاد کی تنسیخ وتعطیل یا تحدید اور خاتمے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ فی الواقع ایسا تصور رکھنے والے کا ایمان شدید خطرے میں ہے۔

البتہ موجودہ دور میں جہاد کے عملی تصور میں اختلاف کی گنجائش ہوسکتی ہے لیکن اس اختلاف کے خاتمے کا یہ کوئی دانشمندانہ حل نہیں کہ جہاد وقتال کا سرے سے انکار کر دیا جائے یا اسے ایسی شرائط سے مشروط کر دیا جائے کہ فی الواقع جہاد ناممکن ہو کر رہ جائے۔

علامہ جاوید غامدی کا نام بھی کچھ ایسے ہی لوگوں کی فہرست میں داخل ہے جو خانہ ساز اصول وقوانین کے ذریعے جہاد کو انتہائی محدود بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ جہاد کے تصور کو ہی ختم کرنے کے درپے ہیں۔گزشتہ دنوں سقوط افغانستان اور طالبان پر ظلم وعدوان کے سلسلے میں غامدی صاحب نے کچھ ایسے اخباری بیان داغے جن سے مظلوم مسلمانوں کے زخموں پر مرہم پٹی رکھنے کی بجائے ان پر نمک چھڑکنے کا ظالمانہ کردار واضح ہوتا ہے۔علاوہ ازیں موصوف نے ماہنامہ اشراق میں اپنے ان خودساختہ اصولوں کو ''قانون'' کے نام سے مسلسل گیارہ قسطوں میں شائع کیا جس میں اپنے خودساختہ قوانین کو تاویلات سے مزین کرنے کی سعیٔ لاحاصل کی ہے۔

جاوید غامدی کی ان ہفوات کا قرآن وسنت کی میزان میں حقیقی جائزہ قارئین کے حضور پیش کیا جارہا ہے تاکہ تصویر کا دوسرا رخ بھی واضح ہو سکے۔

جہاد کا مقصد:

غامدی صاحب جہاد کی شرعی تعریف کے بعد جہاد کا مقصد اور اسکی ضرورت ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”......مگر جب کسی قوم کی سرکشی اور شوریدہ سری اس حد کو پہنچ جائے کہ اسے نصیحت اور تلقین سے صحیح راستے پر لانا ممکن نہ رہے تو انسان کا حق ہے کہ اس کے خلاف تلوار اٹھائے اور اس وقت تک اٹھائے رکھے جب تک امن اور آزادی کی فضا دنیا میں بحال نہ ہو جائے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ تلوار اٹھانے کی یہ اجازت اگر نہ دی جاتی تو قوموں کی سرکشی اس انتہا کو پہنچ جاتی کہ تمدن کی بربادی کا تو کیا ذکر، معبد تک ویران کر دیے جاتے اور ان جگہوں پر خاک اڑتی جہاں اب شب و روز اللہ پروردگار عالم کا نام لیا جاتا اور اس کی عبادت کی جاتی ہے......؟ (ایضاً)

کوئی بھی سلیم الفطرت حق کا متلاشی مذکورہ عبارت پڑھ کر داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا مگر انتہائی افسوس سے قلم کو جنبش دینا پڑتی ہے کیونکہ محترم اپنے دعویٰ پر قائم نہ رہ سکے۔ کاش وہ اپنے دعویٰ پر قائم رہتے اور اسلام کی صحیح ترجمانی کرتے......! بہر حال محترم کا کلام چونکہ یفسر بعضه بعضًا کی عکاسی کرتا ہے، اس لیے اب ہم وہ عبارتیں سپرد قلم کرتے ہیں جن سے محترم کی شخصیت پر پڑے دبیز علم کے پردے کھل کر حقیقت کو آشکارا کرتے ہیں:

۱۔ لہٰذا یہ بات بالکل قطعی ہے کہ منکرین حق کے خلاف جنگ اور اس کے نتیجے میں مفتوحین پر جزیہ عائد کر کے انہیں محکوم اور زیردست بنا کر رکھنے کا حق اب ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔ قیامت تک کوئی شخص اب نہ دنیا کی کسی قوم پر اس مقصد سے حملہ کر سکتا ہے نہ کسی مفتوح کو محکوم بنا کر اس پر جزیہ عائد کرنے کی جسارت کر سکتا ہے۔ مسلمانوں کیلئے قتال کی ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے، وہ ظلم وعدوان کے خلاف جنگ ہے، اللہ کی راہ میں قتال اب یہی ہے اس کے سوا کسی مقصد کے لیے بھی دین کے نام پر جنگ نہیں کی جا سکتی۔ (اشراق، قسط نمبر ۹)

۲۔ موصوف فرماتے ہیں: جہاد کا حکم قرآن میں دو صورتوں کے لیے آیا ہے۔ ایک ظلم وعدوان کے خلاف، دوسرے اتمام حجت کے بعد منکرین کے خلاف۔ پہلی صورت شریعت کا ابدی حکم ہے......دوسری صورت کا تعلق شریعت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے قانون اتمام حجت سے ہے...... یہ منصب آخری مرتبہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوا: ((وَ كَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ ......)) رسول اللہ اور آپ کے صحابہ کی طرف سے اتمام حجت کے بعد یہی دوسری صورت پیش آئی چنانچہ انہیں جس طرح ظلم وعدوان کے خلاف قتال کا حکم دیا گیا، اسی طرح اس مقصد کے لیے بھی تلوار اٹھانے کی ہدایت ہوئی۔ یہ خدا کا کام تھا جو انسان کے ہاتھوں سے انجام پایا۔ اسے ایک سنت الٰہی کی حیثیت سے دیکھنا چاہیے۔ انسانی اخلاقیات سے اسکا کوئی تعلق نہیں۔“

(اشراق، قسط نمبر ا)

۳۔ رہی دوسری صورت تو اس کا تعلق شریعت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے قانون اتمام حجت سے ہے۔ جہاد کی یہ صورت صحابہ کرام کے بعد ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکی ہے۔ (ندائے ملت، اشراق نومبر ۲۰۰۱ء)

۴۔ آپ درپیش حالات میں دعوت اور جہاد میں سے اولین ترجیح کسے دیں گے؟ موصوف جواب دیتے ہیں: امت مسلمہ اس وقت کسی

جہاد کی اہلیت نہیں رکھتی۔ اپنی پوری قوت ان حالات میں ہمیں علم و اخلاق میں اعلیٰ مراتب کے حصول اور دین کی دعوت پر صرف کرنی چاہیے۔ (ایضاً)

موصوف کے نزدیک جہاد کی دو صورتیں ہیں۔ ایک ظلم وعدوان کے خلاف اور دوسری اتمام حجت کے بعد منکرین حق کے خلاف۔ اگر ان دونوں صورتوں کو فقہاء کی وسیع تر اصطلاح میں بیان کیا جائے تو انہیں دفاعی اور اقدامی جہاد سے موسوم کیا جائے گا۔ اگرچہ کچھ استثنائی صورتیں بھی موجود ہیں مگر استثناء کالمعدوم کی وجہ سے ہم صرف مذکورہ دو صورتوں کا تفصیلی جائزہ لینا چاہیں گے کہ موصوف کی بیان کردہ اتمام حجت اور ان کی شرائط میں کہاں تک کجی ہے اور اس کج بنیاد پر بننے والی عمارت میں کتنا جھول ہے؟

کیا اقدامی جہاد صرف نبیﷺ اور صحابہؓ کا خاصہ تھا؟:

موصوف نے قسم ثانی یعنی اتمام حجت کے بعد منکرین حق کے خلاف اقدام کو صرف نبی کریمﷺ اور پھر آپ کے صحابہ تک خاص کر کے تا قیامت اقدامی جہاد کی حرمت کا فتویٰ صادر فرما دیا ہے، مزید برآں اقدامی جہاد کو روح اسلام اور انسانی اخلاقیات کے بھی منافی قرار دیا ہے۔

پہلے تو ہمیں یہ جائزہ لینا چاہئے کہ آیا اقدامی جہاد نبی کریمﷺ اور صحابہ کرامؓ کے لیے ہی خاص تھا یا تا قیامت سارے مسلمان ہی حالات و واقعات کے مطابق اسوۂ رسول اور عمل صحابہ کے متبع ہیں؟ اصولی بات تو یہ ہے کہ کسی قول و فعل کو خصائص نبوت یا خصائص صحابہ میں داخل کرنے والا مدعی اپنے دعویٰ کی دلیل کا پابند ہے جبکہ کوئی ایک دلیل بھی موصوف نے کہیں ذکر نہیں فرمائی۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ''خصائص'' پر ایک مختصر مگر جامع و مانع بحث سپرد قلم کر دیں تا کہ قارئین حقیقی صورتحال سے مستفید ہو سکیں۔

اتباع رسول:

نبی کریمﷺ کی ساری زندگی، آپ کا ہر قول و فعل اور تقریر دنیا بھر کے تمام مسلمانوں کے لیے خواہ وہ صحابہ کرامؓ ہوں یا بعد میں آنے والے مسلمان تا قیامت حجت ہیں جس سے سر مو انحراف دین اسلام سے خروج اور بغاوت کے مترادف ہے بلکہ تمام انبیاء و رسل کی بعثت میں بنیادی عنصر ہی یہ تھا کہ لوگ ان کی اطاعت و فرمانبرداری بجا لائیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَا أَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذۡنِ اللّٰهِ﴾ [1]

''ہم نے ہر رسول کو صرف اس لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اسکی اطاعت کی جائے۔''

اسی لیے نبی کریمﷺ کی اطاعت و فرمانبراری، آپ کے احکامات کی تابعداری اور آپﷺ کے اسوہ کی پاسداری سب مسلمانوں پر فرض ہے۔ بیسیوں آیات اور احادیث اس کی گواہ ہیں۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِيۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ أُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [2]

''تمہارے لیے اللہ کے رسول کی زندگی ہی بہترین نمونہ ہے۔''

مذکورہ آیت کی تفسیر میں مفسرین کے خیالات:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" هٰذِهِ الْآيَةُ الْكَرِيمَةُ أَصْلٌ كَبِيرٌ فِي التَّأَسِّي بِرَسُولِ اللّٰهِ فِي أَقْوَالِهِ وَ أَفْعَالِهِ وَ أَحْوَالِهِ وَ لِهٰذَا أَمَرَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى النَّاسَ بِالتَّأَسِّي بِالنَّبِيِّ يَوْمَ الْأَحْزَابِ فِي صَبْرِهِ وَ مُصَابَرَتِهِ مُجَاهَدَتِهِ وَإِنْتِظَارِهِ الْفَرَجِ مِنْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ دَائِمًا إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ " [3]

''یہ آیت بہت بڑی دلیل ہے اس امر پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال، افعال و احوال اقتداء، پیروی اور تابعداری کے لائق ہیں۔ جنگ احزاب میں جو صبر و تحمل اور عدیم المثال شجاعت کی مثال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی مثلاً اللہ کی راہ میں تیاری، شوق جہاد اور سختی کے وقت بھی رب سے آسانی کی امید اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھائی (اس کے متعلق اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تابعداری کرنے کا سب لوگوں کو حکم دیا ہے) یقیناً یہ تمام چیزیں اس قابل ہیں کہ مسلمان انہیں اپنی زندگی کا جزو اعظم بنالیں اور اپنے پیارے پیغمبر، اللہ کے حبیب، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لیے بہترین نمونہ بنالیں اور ان اوصاف سے اپنے تئیں بھی موصوف کریں......'' [1]

مفسر ابن جریر طبری رحمہ اللہ:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ أَنْ تَتَأَسُّوا بِهِ وَتَكُونُوا مَعَهُ حَيْثُ كَانَ وَلَا تَتَخَلَّفُوا عَنْهُ۔ " [2]

''یعنی تم اس (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کی تابعداری کرو جہاں بھی وہ ہوں، ان کے ساتھ ساتھ رہو اور ان سے پیچھے نہ رہو۔''

امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" وَهٰذِهِ الْآيَةُ إِنْ كَانَ سَبَبُهَا خَاصًّا فَهِيَ عَامَّةٌ فِي كُلِّ شَيْءٍ وَ مَثْلُهَا مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَ مَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا، قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي " [3]

''اس آیت کا سبب نزول اگرچہ خاص ہے لیکن یہ ہر چیز عموم کا حکم رکھتی ہے اور اسی طرح کچھ مزید آیات بھی موجود ہیں مثلاً'' جو کچھ تمہیں رسول دے دیں، اسے لے لو اور جس سے منع کر دیں، اس سے باز آ جاؤ۔'' نیز'' آپ کہہ دیں کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری تابعداری کرو''

نواب صدیق حسن خان سے بھی یہی تفسیر مروی ہے۔ [1]

مفسر قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وَاخۡتَلَفَ فِیۡ هٰذِهِ الۡاُسۡوَةِ بِالرَّسُوۡلِ عَلَیۡهِ السَّلَامِ هَلۡ هِیَ لِلۡإِیۡجَابِ أَوۡ عَلَی الۡإِسۡتِحۡبَابِ عَلَی قَوۡلَیۡنِ ۔ اَحَدُهُمَا عَلَی الۡإِیۡجَابِ حَتّٰی یَقُوۡمَ دَلِیۡلٌ عَلَی الۡإِسۡتِحۡبَابِ ۔ الثَّانِیۡ عَلَی الۡإِسۡتِحۡبَابِ حَتّٰی یَقُوۡمَ دَلِیۡلٌ عَلَی الۡإِیۡجَابِ وَ یَحۡتَمِلُ أَنۡ یَّحۡمِلَ عَلَی الۡإِیۡجَابِ فِیۡ أُمُوۡرِ الدِّیۡنِ وَ عَلَی الۡإِسۡتِحۡبَابِ فِیۡ أُمُوۡرِ الدُّنۡیَا “ [2]

”اس آیت میں اسوۂ رسول کی اقتداء کے وجوب یا مستحب ہونے پر دو مختلف قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ (نبی کریمﷺ کی ہر معاملے میں) اقتداء واجب ہے الاّ کہ کوئی استحباب پر دلالت کرنے والی دلیل مل جائے اور دوسرا قول اس کے برعکس یہ ہے کہ ہر عمل بالعموم مستحب ہے الاّ کہ وجوب پر دلالت کرنے والی کوئی دوسری دلیل ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اسے دینی امور میں وجوب اور دنیاوی امور میں استحباب پر محمول کیا جائے۔“

خصائص نبوت کی پہچان:

مذکورہ دلائل کے عموم میں ہر مسلمان مرد و زن، خاص و عام، جاہل و عالم سب شامل ہیں کہ ہر شخص اپنے ظلمت کدہ اور دائرہ کار میں نبی کریمﷺ کی نبوی زندگی سے روشنی حاصل کرے اور یہ اقتداء و اتباع کسی مخصوص طبقے یا زمانے تک محدود نہیں بلکہ ابدالآباد تک یہ اصول جاری و ساری کر دیا گیا ہے ورنہ نبوت کا بنیادی مقصد ہی فوت ہو کر رہ جاتا ہے البتہ بعض معاملات انبیاء کے لیے خاص کر دیے جاتے ہیں۔ جن پر امت سے عمل پیرا ہونے کا تقاضا و مطالبہ نہیں کیا جاتا بلکہ بعض معاملات و احکامات میں امت کو ان پر عمل پیرا ہونے سے منع کر دیا جاتا ہے لہٰذا ایسی کچھ مستثنیٰ صورتوں، مخصوص حالتوں اور رخصتوں کے سوا باقی تمام احکامات میں نبی کی لائی ہوئی شریعت ہر مسلمان امتی کے لیے واجب الاتباع کا درجہ پا لیتی ہے جس سے گریز کسی طرح گناہ سے کم نہیں۔ یہ کوئی پیچیدہ مسئلہ نہیں کہ نبی کریمﷺ کی ”خصوصیت“ کی پہچان کیسے ممکن ہو۔ اس سلسلے میں قرآن و حدیث ہمارے لیے برہان و معیار ہیں یعنی قرآن مجید آپ کے کسی عمل کو آپﷺ کے لیے خاص کر دے یا لسان نبوت سے آپﷺ از خود کوئی امر اپنے لیے خاص کر لیں۔ بس وہی ”خاصۂ رسول“ ہے جس میں امتی شرکت و اقتداء نہیں کرے گا بلکہ ایسے امور میں اتباع و اقتدا باعث گناہ قرار پائے گی۔

قرآن مجید سے ایک مثال:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحۡلَلۡنَا لَكَ اَزۡوَاجَكَ ...... وَامۡرَاَةً مُّؤۡمِنَةً اِنۡ وَّهَبَتۡ نَفۡسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنۡ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنۡ یَّسۡتَنۡكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴾ [1]

”اے نبی! ہم نے تیرے لیے تیری وہ بیویاں حلال کر دی ہیں ...... اور وہ مومنہ عورت بھی (حلال کر دی ہے) جو اپنا نفس نبی کو

ہبہ کردے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ خود نبی اس سے نکاح کرنا چاہے۔ یہ خاص طور پر صرف تیرے لیے ہی ہے اور مومنوں کے لیے نہیں۔''

اس آیت کی تفسیر میں قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''کسی عورت کے لیے ولی اور مہر کے بغیر اپنا نفس کسی مرد کو ہبہ کرنا جائز نہیں البتہ نبی کریم ﷺ کے لیے (ہبہ کرنا) جائز ہے اور یہ صرف نبی کریم ﷺ کے لیے خاص ہے کسی اور کے لیے نہیں۔[2]

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«إِنَّمَا ذَالِكَ لَكَ يَا مُحَمَّدُ خَالِصَةً اَخلَصتَ لَهُ مِنْ دُوْنِ سَائِرِ الْمُؤْمِنِيْنَ»

''اے محمد ﷺ! یہ (ہبہ) صرف آپ کا خاصہ ہے اور کسی بھی مومن کے لیے یہ جائز نہیں۔''

امام شوکانی فرماتے ہیں:

«وَ قَدْ أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّ هَذَا خَاصٌّ بِالنَّبِيِّ وَ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ لِغَيْرِهِ»[1]

''علماء کا اس پر اجماع ہے کہ یہ (ہبہ) صرف نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہے، کسی اور کے لیے اس میں جواز نہیں۔'' (البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف مختلف ہے)

قرآن مجید نے دوٹوک الفاظ میں مذکورہ مسئلہ کو نبی کریم ﷺ کا خاصہ قرار دے کر دیگر کو مستثنیٰ قرار دے دیا ہے۔(خالصة لك) اس لیے اس مسئلہ میں آپ ﷺ کی اقتداء نہیں کی جائے گی۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی عمل کو خاصہ قرار دینے کے لیے قرآن وسنت کی صریح دلیل ہی حجت ہوسکتی ہے وگرنہ جو چاہے گا، اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے ''میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھوہ'' کے فارمولے پر عمل کرتے ہوئے جس مسئلہ کو چاہے گا، نبی کا خاصہ قرار دے کر خود ہی اس پر عمل پیرا ہونے سے ''محفوظ'' ہو جائے گا بلکہ پھر منطقی طور پر اس پر عمل کرنے والوں پر بھی نکتہ چینی کا فریضہ ادا کرے گا۔

قارئین! آپ حیران ہوں گے کہ مفسرین اور ائمہ سلف نے خصائص نبوۃ پر تفصیلی کاوشیں پیش کی ہیں اور نبی ﷺ کے اپنی امت کے مقابلے میں مختلف خصائص کو جمع کر دیا ہے مگر قرطبی سے لے کر نهاية السول فی خصائص الرسول (عمر بن دحیہ) تک کسی نے بھی اقدامی جہاد کو نبی ﷺ یا صحابہ رضی اللہ عنہم کا خاصہ قرار دے کر امت کو اس ضروری اور چوٹی کے عمل سے محروم کرنے کی کوشش نہیں کی۔

خصائص صحابہ رضی اللہ عنہم کی حقیقت:

اگر خصائص نبوت کی حقیقت اچھی طرح سمجھ آ جائے تو خصائص صحابہ رضی اللہ عنہم کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں کیونکہ اس میں بھی خصائص نبوت والا قانون ہی کارفرما ہے یعنی نبی کریم ﷺ کا قول وفعل انفرادی یا اجتماعی طور پر کسی بھی صحابی تک اس وقت تک محدود نہیں کیا جا سکتا جب تک لسان نبوت سے تخصیص کا کوئی فرمان جاری نہ ہو جائے بصورت دیگر نبی ﷺ کے افعال واعمال پر جس طرح صحابہ کرام عمل پیرا رہے، اسی طرح تا قیامت ہر مسلمان کا عمل پیرا ہونا شرعاً مطلوب ہے۔

ایک مثال:

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کا خطبہ سنا۔ آپ ارشاد فرما رہے تھے کہ ”اس (عیدالاضحیٰ کے) دن سب سے پہلے ہم نماز (عید) ادا کریں گے پھر واپس جا کر قربانی کریں گے، لہٰذا جس شخص نے اس طرح کیا اس نے ہماری سنت پر عمل کیا اور جس نے (پہلے ہی) قربانی کر لی تو وہ محض گوشت ہے جسے اس نے اپنے اہل خانہ کے لیے مقدم کیا ورنہ اس میں قربانی کا کوئی ثواب نہیں۔“ تو ابو بردہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے تو نماز سے پہلے ہی قربانی کر لی ہے، البتہ میرے پاس جذعہ (کھیرا) ہے جو دو دانت والے سے بھی بہتر ہے (ایک روایت میں ہے کہ وہ دو بکریوں سے بھی عمدہ ہے)۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”(اب) اسے قربانی کی جگہ ذبح کر لے لیکن تیرے بعد یہ کسی اور کے لیے ہرگز جائز نہیں۔“ ((وَلَنْ تَجْزِيَ أَوْ تُوَفِّيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدُ)) ①

”تیرے بعد یہ کسی اور کی طرف سے ہرگز کفایت نہیں کرے گا۔“

قارئین! اس مختصر اصولی بحث کے بعد اب ہم اصل مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ مولانا کا یہ دعویٰ کہ ”جہاد کی یہ (اقدامی) صورت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکی ہے“ کیا علمی حیثیت رکھتا ہے۔ اصولی بات تو یہ ہے کہ موصوف کو اپنے دعویٰ کی صریح، مرفوع اور غیر مرجوح دلیل پیش کرنی چاہیے تھی۔ موصوف اتنا بڑا منہ پھٹ دعویٰ تو کر گئے ہیں مگر اس کے لیے ایک دلیل بھی گوارا نہیں سمجھی جبکہ کسی بھی امر کا نبی ﷺ یا صحابہ رضی اللہ عنہم تک خاص کرنے کی دلیل از بس ضروری ہے لیکن پورے وثوق سے یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ غامدی صاحب اور ان کے مقلدین اپنے اس موقف پر کوئی دلیل پیش نہیں کر سکیں گے۔ (ان شاء اللہ)

﴿ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِيرٌ﴾ ①

”پھر بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمہاری نگاہ ناکام تھک کر واپس آ جائے گی۔“

”لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ“ کا مفہوم:

غامدی صاحب نے اتنا بھی گوارا نہ کیا کہ کم از کم اس آیت کی من مانی تاویل کرنے سے پہلے خود نبی کریم ﷺ کی بیان کردہ تفسیر پر ہی التفات کر لیا جائے مگر شاید اس کرم فرمائی سے وہ ساری عمارت ہی متزلزل بلکہ یقیناً منہدم ہو کر رہ جاتی جس کی تعمیر کے لیے انہوں نے عقل کے گھوڑے دوڑا کے خوب محنت شاقہ سے کام لیا مگر بے سود۔

نبی کریم ﷺ کی تفسیر:

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے روز سیدنا نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کیا تم نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا؟ وہ عرض کریں گے کہ ہاں اے رب! پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا کہ کیا انہوں نے تمہیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا؟ وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ سیدنا نوح علیہ السلام سے پوچھے گا، تمہارے گواہ کون ہیں؟ نوح علیہ السلام عرض کریں گے کہ محمد ﷺ اور ان کی امت۔ پھر تمہیں لایا جائے گا اور تم لوگ ان کے حق میں شہادت دو گے۔ پھر اللہ

کے رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

«كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا ...... قَالَ عَدْلًا ـ لِتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا»①

''اسی طرح ہم نے تمہیں درمیانی امت بنایا، (راوی نے) کہا کہ وسط بمعنی عدل (میانہ روی) ہے تا کہ تم لوگوں کے لیے گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ بنے۔''

لیجیے قارئین! نبی کریم ﷺ نے اس شہادت علی الناس کی وضاحت بھی فرما دی کہ یہ روز قیامت ان منکرین کے خلاف امت مسلمہ کی گواہی ہوگی جو اپنے انبیاء کی بعثت کا یکسر انکار کر دیں گے اور امت مسلمہ کی گواہی پر خود جناب رسول اللہ ﷺ بھی گواہی دیں گے۔ مذکورہ حدیث کی صحت کو کسی طرح بھی چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے تمام طرق اور متون کے لیے ملاحظہ ہو۔ صحیح بخاری (۳۳۳۹) مسند احمد (۳۲/۳) جامع ترمذی (۲۹۶۱) ابن حبان (۷۲۷۷) ابویعلیٰ (۱۱۷۳) ابن ابی شیبہ (۴۵۶/۱۱) شعب الایمان (۲۶۴) طبری (۲۱۷۹)۔

قارئین کرام فیصلہ کر لیں کہ نبی اکرم ﷺ کی بیان کردہ تفسیر کو اختیار کیا جائے یا ایک منکر حدیث کی خانہ ساز تاویل کو؟

جہاد و قتال تا قیامت جاری رہے گا!:

اللہ و رسول ﷺ کے نا قابل تردید فرامین:

﴿وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ﴾②

''اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ کوئی فتنہ (کفر و شرک) باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے خالص ہو جائے۔''

﴿هُوَ الَّذِیْۤ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾①

''اسی (اللہ) نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسے وہ تمام ادیان پر غالب کر دے۔''

ان کی تفسیر گزر چکی ہے۔

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا أَنْ لَّا اِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ»②

''سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مجھے لوگوں سے اس وقت تک قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ جب تک وہ اللہ کے معبود برحق ہونے اور محمد ﷺ کے اس کا رسول ہونے کا اقرار نہ کر لیں۔''

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ: لَا هِجْرَةَ وَ لٰكِنْ جِهَادٌ وَ نِيَّةٌ، وَ إِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا»③

''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یوم فتح یعنی فتح مکہ کے روز فرمایا کہ اب فتح مکہ کے بعد (ایسے حالات پیدا ہو چکے ہیں کہ یہاں) ہجرت کی ضرورت نہیں رہی لیکن جہاد اور جہاد کی نیت (تا قیامت) برقرار ہے اور جب تمہیں جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا جائے تو نکل پڑو۔''

«عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ لَنْ يَبْرَحَ هَذَا الدِّينُ قَائِمًا يُقَاتِلُ عَلَيْهِ عِصَابَةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ»①

''جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا اور مسلمانوں میں سے ایک جماعت اس دین کے لیے قیامت تک قتال کرتی رہے گی۔''

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری امت کا ایک گروہ برابر حق پر لڑتا رہے گا اور دشمنوں پر غالب رہے گا حتیٰ کہ ان میں سے آخری گروہ مسیح دجال سے جا کر لڑے گا۔'' ②

ایک جماعت قیامت تک قتال کرتی رہے گی، اس مفہوم کی احادیث کے لیے دیکھئے۔ صحیح بخاری: (۳۶۴۰۔۳۶۴۱۔۷۳۱۱۔۷۴۵۹) صحیح مسلم (۱۹۲۰۔۱۹۲۱۔۱۹۲۲۔۱۵۶) جامع ترمذی (۲۲۲۹) سنن ابن ماجہ (۱۰)۔

سیدنا سلمہ بن نفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی نے کہا:

''یا رسول اللہ ﷺ! لوگوں نے گھوڑوں کو ذلیل کر دیا ہے، جہادی ہتھیار اتار دیے ہیں اور یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ اب جہاد نہیں رہا اور جنگ نے اپنے ہتھیار اتار دیے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''انہوں نے جھوٹ بولا، ابھی تو جہاد و قتال شروع ہوا ہے اور میری امت کا ایک گروہ حق کی خاطر لڑتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے لیے قوموں کے دل پھیر دے گا اور ان کو ان سے رزق عطا فرمائے گا حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے۔'' ③

غامدی صاحب کے نزدیک اقدامی جہاد صرف عرب تک محدود تھا:

موصوف ﴿وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ﴾ کے تحت لکھتے ہیں ''سیاق کلام سے واضح ہے کہ اس میں ضمیر منصوب (قَاتِلُوهُمْ) کا مرجع مشرکین عرب ہیں لہٰذا یہ بات تو بالکل قطعی ہے کہ ان الفاظ کے معنی یہاں اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتے کہ دین سرزمین عرب میں پورا کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے۔ یہ مقصد دو ہی صورتوں میں حاصل ہو سکتا تھا۔ ایک یہ کہ دین حق کے سوا تمام ادیان کے ماننے والے قتل کر دیے جائیں دوسرے یہ کہ انہیں ہر لحاظ سے زیر دست رکھا جائے۔'' (قسط نمبر ۸)

محترم قارئین! مذکورہ دعویٰ کی تردید کے لیے ہمیں سلف مفسرین کی آراء کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے تو سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس طرح کی جتنی بھی آیات قرآن مجید میں مذکور ہیں، ان میں سے کسی ایک آیت کا بھی وہ مفہوم کسی مفسر نے بیان نہیں کیا جو غامدی صاحب

اختراع کر رہے ہیں بلکہ تقریباً تمام تفاسیر میں یہ مشترک نکتہ دکھائی دے گا کہ قتال کی غایت فتنہ کی بیخ کنی ہے اور فتنہ کفر و شرک ہے لہٰذا جب تک کفر و شرک عالم ارضی پر موجود رہے گا، قتال جاری رہے گا اور وہ تمام احادیث اور پیش گوئیاں بھی اسی پر مؤید ہیں کہ قیامت تک جہاد و قتال جاری رہے گا کیونکہ فتنہ بھی اپنی کسی نہ کسی صورت میں قیامت تک جاری رہے گا اور یہ اللہ کی تقدیر کا فیصلہ ہے۔

مفسر قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ...... وَ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ "أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ...... فَدَلَّتِ الْآيَةُ وَالْحَدِيْثُ عَلٰى أَنَّ سَبَبَ الْقِتَالِ هُوَ الْكُفْرُ لِأَنَّهٗ قَالَ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ اَیْ كُفْرٌ فَجَعَلَ الْغَايَةَ عَدَمُ الْكُفْرِ وَهٰذَا ظَاهِرٌ ...... فَإِنِ انْتَهَوْا أَیْ عَنِ الْكُفْرِ اَمَّا بِالْإِسْلَامِ كَمَا تَقَدَّمَ فِی الْآيَةِ قَبْلُ أَوْ بِأَدَاءِ الْجِزْيَةِ فِی حَقِّ أَهْلِ الْكِتَابِ عَلٰى مَا يَأْتِی بَيَانُهٗ فِی بَرَاءَةٍ وَإِلَّا قُوْتِلُوْا وَ هُمْ ظَالِمُوْنَ لَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَيْهِمْ ...... وَالظَّالِمُوْنَ هُمْ عَلٰى أَحَدِ التَّأْوِيْلَيْنِ مَنْ بَدَأَ بِقِتَالٍ وَ عَلَى التَّاوِيْلِ الْآخِرِ مَنْ بَقِیَ عَلٰى كُفْرٍ وَّ فِتْنَةٍ»[1]

''ان سے قتال کرو حتیٰ کہ فتنہ باقی نہ رہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''مجھے لوگوں کے ساتھ قتال کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ لوگ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں لہٰذا! آیت اور حدیث سے ثابت ہوا کہ قتال کا سبب کفر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ فتنہ باقی نہ رہے اور فتنہ کفر ہے۔ لہٰذا کفر کی بیخ کنی تک لڑائی کی غایت مقرر کی گئی ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے...... ''اگر وہ باز آ جائیں''یعنی اسلام لا کر کفر سے رک جائیں جیسا کہ گزشتہ آیت سے واضح ہے یا جزیہ ادا کرنے پر رضامند ہو جائیں جیسا کہ اہل کتاب کے لیے سہولت ہے جس کا ذکر سورۂ براءۃ میں آئے گا وگرنہ (ان دو صورتوں کے سوا) ان سے قتال کیا جائے گا کیونکہ یہ ظالم ہیں اور زیادتی صرف ظالموں پر ہے......ظالموں کی دو طرح وضاحت کی گئی ہے یعنی وہ جو قتال کا آغاز کر دیں یا وہ جو کفر و فتنہ پر باقی رہیں۔''

مفسر طبری فرماتے ہیں:

﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں: اللہ تعالیٰ دین اسلام کو تمام ملتوں پر غالب کر دیں گے حتیٰ کہ اسلام کے سوا کوئی دین باقی نہ رہے گا تو یہ اسی طرح ہے حتیٰ کہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کر دیں گے تو اس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے سوا تمام ادیان کا خاتمہ ہو جائے گا اور اسلام تمام ادیان پر غالب ہو جائے گا۔'' ﴿وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ ''اے محمد! تیرا رب اس بات پر گواہ ہے کہ وہ تیرے دین کو غالب فرمائے گا۔''[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

"لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ" اَیْ عَلٰى اَهْلِ جَمِيْعِ الْاَدْيَانِ مِنْ سَائِرِ أَهْلِ الْاَرْضِ مِنْ عَرَبٍ وَعَجَمٍ

وَمِلِّيِّينَ وَمُشْرِكِينَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا "[1]

''وہ (اللہ) اس دین (اسلام) کو روئے زمین پر بسنے والے سب اہل ادیان پر غالب کر دے گا خواہ وہ عربی ہوں یا عجمی ہوں یا دوسری ملتوں کے پیروکار ہوں یا مشرکین ہوں اور اللہ اس پر گواہ ہے۔''

محترم قارئین! مذکورہ مفسرین کے علاوہ دیگر مفسرین بھی اسی مفہوم کو بیان کرتے ہیں کیونکہ یہ بقیہ آیات واحادیث کے موافق ہے لہٰذا یہ دعویٰ قطعی طور پر غلط ہے کہ نبیﷺ کا اقدامی جہاد محض جزیرۂ عرب اور بنی اسماعیل تک خاص تھا کیونکہ آپﷺ صرف بنی اسماعیل اور اہل عرب کی طرف رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے بلکہ آپ ساری دنیا کے سارے افراد کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور تا قیامت آپ کی نبوّت کا سکہ ہی جاری وساری رہے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾[2]

''(اے نبیﷺ)! آپ کہہ دیں کہ میں تم سب (لوگوں) کی طرف رسول (بنا کر بھیجا گیا ہوں)۔''

اسی لیے آپ کی تعلیمات میں ساری انسانیت کو مخاطب کیا جاتا ہے اور آپ کی تعلیمات واحکامات کے کسی جزو کو بھی کسی خاص قوم یا علاقے کی طرف مخصوص ومنسوب کر کے آپ پر عصبیت کا الزام لگانے کے مترادف ہے۔ (نعوذ باللہ)

علاوہ ازیں آپﷺ کا یہ ارشاد گرامی:

((أُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى ......))[3]

''مجھے لوگوں کے ساتھ قتال کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ کلمۂ توحید کا اقرار کریں۔''

عام ہے جو ساری انسانیت پر محیط ہے۔ لہٰذا اسے اہل عرب تک محدود کرنے کے لیے قطعی دلیل کی ضرورت ہے جبکہ غامدی صاحب نے ایک بھی ایسی واضح اور صحیح دلیل پیش نہیں کی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اللہ کے رسول کا جہاد صرف اہل عرب کے لیے خاص تھا۔

﴿هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾[1]

قارئین کرام! ہم پہلے ہی واضح کر چکے ہیں کہ غامدی صاحب مبہم انداز میں گفتگو کے عادی ہیں۔ اس لیے کسی جگہ وہ اقدامی جہاد کو اللہ کے رسول کا خاصہ ثابت کرتے ہیں مگر جب صحابہ کرامؓ کے مختلف اقدامات پر نظر پڑتی ہے تو اسے بھی اس خاصے کا لازمہ ثابت کرنے کے لیے دوراز کار تاویلوں سے کام لیتے ہیں، مثلاً لکھتے ہیں:

''صلح حدیبیہ کے بعد ان اقوام کا تعین نبیﷺ نے ان کے سربراہوں کو خط لکھ کر کر دیا تھا۔ یہ خطوط مختلف اقوام کے آٹھ سربراہوں کو لکھے گئے چنانچہ جزیرہ نما میں اپنی حکومت مستحکم کر لینے کے بعد صحابہ کرام ان اقوام پر بھی اس اعلان کے ساتھ حملہ آور ہو گئے کہ اسلام قبول کرو یا زیردست بن کر جزیہ ادا کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' (ان سربراہوں کے نام یہ ہیں۔ نجاشی شاہ حبش، مقوقس شاہ مصر، خسرو پرویز شاہ فارس، قیصر شاہ روم، منذر بن ساوی حاکم بحرین، ہوذہ بن علی صاحب یمامہ، حارث بن ابی شمر حاکم دمشق، جیفر شاہ عمان)

غامدی صاحب اس دعوے کی مزید تشریح ان الفاظ سے بیان کرتے ہیں کہ:

''لہٰذا یہ بات قطعی ہے کہ منکرین حق کے خلاف جنگ اور اس کے نتیجے میں مفتوحین پر جزیہ عائد کر کے انہیں محکوم اور زیردست بنا کر رکھنے کا حق اب ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے، قیامت تک کوئی شخص اب نہ دنیا کی کسی قوم پر اس مقصد سے حملہ کر سکتا ہے اور نہ کسی مفتوح کو محکوم بنا کر اس پر جزیہ عائد کرنے کی جسارت کر سکتا ہے۔ (قسط نمبر ۸)

قارئین! اگر آپ کو اقوام متحدہ کے چارٹر میں اسلام کش پالیسی کی ان دفعات کو پڑھنے کا موقع ملا ہو جن میں لونڈی غلام کے تصور کو محو کرنے کی کوشش کی گئی ہے تو آپ یہ کہے بغیر نہ رہیں گے کہ یو۔این۔او کو ان دفعات میں اتنی جرأت و بے باکی کی ہمت نہیں ہوئی جس کی جسارت خود ''ایک مسلمان فقیہ عصر'' بانگ دہل کر رہا ہے۔

بہر حال گزشتہ صفحات میں ہم قرآن و حدیث کے حوالوں سے یہ واضح کر آئے ہیں کہ جہاد و قتال خواہ دفاعی ہو یا اقدامی، تا قیامت جاری رہے گا۔ اب ہم یہ جائزہ لیں گے کہ کیا صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ کے متعین کردہ علاقہ جات کی طرف ہی اقدامی جہاد کیا یا پھر ان علاقہ جات کو فتح کر لینے کے بعد انہوں نے دیگر علاقہ جات کی طرف پیشقدمی کی ''جسارت'' بھی کی ہے۔

عہد صدیقی رضی اللہ عنہ کے اقدامات:

(۱) لشکر اسامہ کی روانگی رومیوں کے خلاف (۲) منکرین، مرتدین اور جعلی نبیوں کی سرکوبی کے لیے گیارہ ٹیمیں روانہ کیں جن کے امراء یہ تھے:

(۱) خالد بن ولید (۲) عکرمہ بن ابوجہل (۳) شرحبیل بن حسنہ (۴) خالد بن سعید (۵) عمرو بن عاص (۶) حذیفہ بن محسن (۷) عرفجہ بن ہرثمہ (۸) طریفہ بن عاجز (۹) سوید بن مقرن (۱۰) علاء بن حضرمی (۱۱) مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہم۔

(۳) جنگ ذات السلاسل (۴) جنگ قارن (۵) جنگ دلجہ (۶) جنگ لیس (۷) فتح حیرہ (۸) فتح انبار (۹) فتح عین التمر (۱۰) جنگ حصید (۱۱) جنگ مضیخ (۱۲) جنگ فراض (۱۳) جنگ یرموک۔ ①

خلیفۂ ثانی سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اقدامات:

(۱) فتح دمشق (۲) جنگ فحل (۳) فتح بیسان (۴) فتح صیداء (۵) فتح جبیل (۶) فتح عرقہ (۷) فتح بیروت۔ (۸) فتح کرک (۹) جنگ باقشیا (۱۰) جنگ بویب (۱۱) جنگ قادسیہ (۱۲) فتح بابل و کوثی۔ (۱۳) فتح بہرہ شیر (۱۴) فتح مدائن (۱۵) معرکہ جلولاء (۱۶) فتح حمص (۱۷) فتح قنسرین (۱۸) فتح حلب وانطاکیہ (۱۹) فتح بفراس و مرعش و حرث (۲۰) فتح قیساریہ (۲۱) فتح اجنادین (۲۲) فتح بیت المقدس، (۲۳) فتح تکریت (۲۴) فتح جزیرہ (۲۵) فتح اہواز (۲۶) فتح مصر (۲۷) جنگ نہاوند (۲۸) فتح ہمدان (۲۹) فتح اردن (۳۰) فتح رے (۳۱) فتح جرجان (۳۲) فتح طبرستان (۳۳) فتح آذربیجان (۳۴) فتح باب (۳۵) فتح توج (۳۶) دارابجرہ کی فتح (۳۷) فتح کرمان (۳۸) فتح سجستان (۳۹) فتح مکران۔ (۴۰) فتح آرمینیا۔ ①

خلیفۂ ثالث عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے اقدامات:

(۱) فتح اسکندریہ (بغاوت کے بعد دوبارہ فتح) (۲) فتح آرمینیا (بغاوت کے بعد دوبارہ فتح) (۳) فتح افریقہ (جس میں طرابلس، الجیریا، تیونس، مراکش اور طنجہ وغیرہ کے علاقے شامل تھے) (۴) فتح قبرص (۵) فتح روڈس وغیرہ۔[2]

امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے اقدامات:

(۱) سندھ کے علاقوں کی فتوحات اور معرکے (۲) ترکستان کی فتوحات (۳) شمالی افریقہ کی فتوحات ارواڈ اور روڈس کی فتح، ۵۔ قسطنطنیہ پر حملے۔[3]

یزید بن معاویہ کے اقدامات:

ترکستانی اور افریقی علاقوں کی فتوحات اور پیہم معرکے۔

عبدالملک بن مروان کے اقدامات:

افریقی مقبوضات پر دوبارہ قبضہ اور بغاوتوں کا استیصال۔

ولید بن عبدالملک: (۷۰۵ء/۸۶ھ تا ۷۱۳ء/۹۶ھ)

(۱) ترکستان کی فتوحات (۲) چین پر فوج کشی اور خاقان کی اطاعت (۳) سمرقند کی فتح (۴) فتح سندھ (۵) فتوحات اندلس (۶) فتح قرطبہ (۷) تدمیر کی صلح (۸) طلیطلہ پر قبضہ (۹) قرمونہ پر قبضہ (۱۰) اشبیلیہ کی فتح (۱۱) ماردہ کی فتح (۱۲) شمالی اندلس کی فتوحات (۱۳) بشکنس کی فتح (۱۴) استوانس کی فتح (۱۵) جلیقیہ کی فتح (۱۶) فتوحات شام (۱۷) بحر روم کے جزائر کی فتوحات۔

قارئین کرام! مندرجہ بالا اعداد وشمار کو حق کی میزان میں تو لیے اور انصاف کیجیے۔ کیا یہ اقدامی جہاد کی مثالیں نہیں؟ کیا رسول اللہ ﷺ کے نامزد بادشاہوں اور حکمرانوں سے آگے مسلمان نہیں گئے؟ کیا افریقہ اور ایشیا کی سرحدوں کو خلفاء راشدین نے پامال نہیں کیا؟ کیا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فتح کردہ ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل کا علاقہ اللہ کے رسول کا ''نشان زدہ'' تھا؟ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیت المقدس کو فتح کرنا کون سی اخلاقیات کے منافی ہے؟ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ترکستان، شمالی افریقہ اور سندھ تک فوجیں بھیجنا کونسا ''کبیرہ گناہ'' قرار پائے گا؟

کیا غامدی صاحب اپنی تعریفات کے مطابق صحابہ کرام پر ''دہشت گردی'' کا فتویٰ صادر کرنے کی ہمت کریں گے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم کی ملکی فتوحات اور لونڈی غلام بنانے کے اقدامات کی وجہ سے غامدی صاحب ان عظیم لوگوں کو جن کی خاک پا کو لاکھوں غامدی بھی نہیں پہنچ سکتے، کس مقام پر فائز کریں گے؟

غامدی صاحب قرون اولیٰ کے مسلمانوں پر کیا ''فتویٰ'' صادر فرمائیں گے جن کی بدولت ہندوسندھ میں اسلام آیا اور غامدی کے آباؤاجداد سکھ مت اور ہندومت یا بدھ مت سے تائب ہو کر اسلام میں داخل ہوئے اور یوں ''آپ'' کو اسلام کی دولت نصیب ہوئی۔

اے کاش! آپ کو اس کی قدر ہوتی اور آپ بطور تحدیث نعمت اس عمل جہاد کو زندہ کر کے غیروں پر بھی مہربانی فرما کر انہیں اسلام میں داخل کرنے کا ذریعہ بنتے۔

لیکن! یہاں تو معاملہ ہی برعکس ہے! آپ تو ان سب کو شاید دہشت گرد، ان کے اقدامات کو اخلاقیات کے منافی اور ان کی کوششوں کو اسلامی تعلیمات سے روگردانی قرار دے کر یوں اپنے احسان کا شکریہ ادا کر رہے ہیں!!

قارئین! قرآن وسنت کے صریح دلائل اور عمل صحابہؓ کے تاریخی حقائق کی روشنی میں اب غامدی کی کذب بیانیاں آپ پر بالکل واضح ہو چکی ہوں گی اور ان کی مغرب کو خوش کرنے کی ذہنیت بھی طشت از بام ہو چکی ہوگی۔

اب ہم غامدی صاحب کی مدافعانہ جنگ کے لیے تجویز کردہ خودساختہ شرائط کا جائزہ لیتے ہیں لیکن اس سے پہلے آں جناب کی دو خطرناک غلطیوں کی طرف اشارہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

ا۔ قتال و جہاد صرف اہل عرب تک محدود تھا؟:

غامدی صاحب فرماتے ہیں کہ اس میں (قَاتِلُوْهُمْ) ضمیر منصوب کا مرجع مشرکین عرب ہیں لہٰذا یہ بات تو بالکل قطعی ہے کہ ان الفاظ کے معنی یہاں اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتے کہ دین سرزمین عرب میں پورے کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے......اس کے صاف معنی یہ تھے کہ مدت پوری ہو جانے کے بعد یہ معاہدین بھی اسی انجام کو پہنچیں گے جو جزیرہ نمائے عرب کے تمام مشرکین کے لیے مقدر کر دیا گیا ہے۔ ایمان نہ لانے کی صورت میں یہ ان کے قتل عام کا اعلان تھا۔ (اشراق: قانون جہاد قسط نمبر ۸)

یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ جنگ کب تک جاری رہے گی یعنی جب تک جزیرہ نمائے عرب میں دوسری اقوام پر مسلمانوں کا سیاسی غلبہ قائم نہیں ہو جاتا، یہ جنگ جاری رہے گی۔ (اشراق جنوری ۲۰۰۲ء)

ان اقتباسات پر گزشتہ صفحات پر سیر حاصل بحث کر دی گئی ہے لیکن اب مندرجہ بالا اقتباس سے غامدی صاحب کی ایک اور غلطی جو شعوری یا غیر شعوری طور پر ان سے سرزد ہوئی، کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ بقول غامدی نبی کریم ﷺ کی بعثت خاص جزیرہ نما عرب کے لیے تھی اور فتح مکہ اور بیت اللہ کو بتوں اور مشرکوں سے آزاد کرنے تک منتہی تھی اور اسے غامدی صاحب قانون اتمام حجت یا شہادۃ علی الناس سے تعبیر کرتے ہیں لیکن اس سے یہ مفاسد جنم لیتے ہیں:

ا۔ اگر نبی ﷺ صرف جزیرہ عرب کو ظلم وعدوان سے پاک کرنے کے لیے تشریف لائے تھے تو اس سے قومیت کا تصور جنم لے گا اور ملت وامت کا تصور ختم ہوگا۔

۲۔ قرآن وسنت کی صریح نصوص سے آپ کی بعثت تا قیامت سارے انسانوں کے لیے ہے۔ ﴿قُلْ يَآ أَيُّهَا النَّاسُ ......﴾ ﴿بُعِثْتَ اِلَى النَّاسِ كَآفَّةً﴾ ان نصوص کی کیا توجیہ کی جائے گی؟

۳۔ آپ ﷺ کی حکومت وبشریت تو وفات کے ساتھ ختم ہوگئی لیکن آپ کی نبوت تا قیامت جاری ہے۔ لیکن اگر آپ کے معاملات کو اہل عرب تک خاص کر دیا جائے تو پھر ختم نبوت میں نقب کے راستے ہموار ہو جائیں گے! کیونکہ اہل عجم خدائی تعلیمات وہدایات کے

مستحق ہیں۔ اہل یورپ وحی الٰہی کے محتاج ہیں۔ اہل مشرق کو اللہ کے حکم کی ضرورت ہے لیکن اگر اللہ کا حکم اور اتمام حجت اہل عرب کے لیے مخصوص ہے تو پھر ان سب علاقوں کے لیے الگ الگ انبیاء ورسل کی حاجت درکار رہے۔

علاوہ ازیں اس میں نبی کریم ﷺ کی جامع شان رسالت کی تنقیص وتحقیر ہے کہ جو کسی بھی ''کلمہ گو،، کو کفر تک پہنچا سکتی ہے۔

۲۔ ہر رسول کو سیاسی اقتدار سونپا جاتا ہے؟:

غامدی صاحب نبی اور رسول کی تفریق کے درمیان رسول کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ذکر فرماتے ہیں: ''رسولوں کو انبیاء کے برعکس سیاسی اقتدار سے ضرور نوازا جاتا ہے۔'' (تفصیل کے لیے دیکھیں المیزان: ۱/۹ تا ۳۰)

یقیناً نبی اور رسول میں فرق ہے اور رسول میں کئی اضافی خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں لیکن یہ محض غلط فہمی ہے کہ ہر رسول کو دنیا میں سیاسی اقتدار ملے۔ کیونکہ اگر یہ بات درست تسلیم کر لی جائے تو ان رسولوں کے بارے میں کیا خیال ہے جنہیں دنیا میں سیاسی اقتدار تو کجا زندگی سے بھی محروم کر دیا گیا بطور مثال چند ایک آیات درج ذیل ہیں:

﴿ أَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُولٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى أَنفُسُكُمُ ٱسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴾ ①

''لیکن جب کبھی تمہارے پاس رسول وہ چیز لائے جو تمہاری طبیعتوں کے خلاف تھی تو تم نے فوراً تکبر کیا۔ بعض (رسولوں) کو جھٹلا دیا اور بعض (رسولوں) کو قتل بھی کر ڈالا۔''

﴿ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِى بِٱلْبَيِّنَاتِ وَ بِٱلَّذِى قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِن كُنتُمْ صٰدِقِينَ ﴾ ②

''آپ کہہ دیں کہ اگر تم سچے ہو تو مجھ سے پہلے تمہارے پاس جو رسول دیگر معجزوں کے ساتھ یہ (نشانی) بھی لائے جس کا تم مطالبہ کر رہے ہو تو پھر تم نے ان (رسولوں) کو کیوں قتل کیا۔''

﴿ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُولٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى أَنفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَ فَرِيقًا يَّقْتُلُونَ ﴾ ③

''جب کبھی کوئی رسول ان کے پاس وہ احکام لے کر آیا جو ان کی اپنی منشا کے خلاف تھے تو انہوں نے (رسولوں کی) ایک جماعت کی تکذیب کی اور ایک جماعت کو قتل کیا۔''

﴿ وَ مَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ ٱلرُّسُلُ أَ فَإِين مَّاتَ أَوْ قُتِلَ ٱنقَلَبْتُمْ عَلٰٓى أَعْقَابِكُمْ ﴾ ①

''محمد ﷺ صرف رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ کیا اگر ان کی وفات ہو جائے یا انہیں شہید کر دیا جائے تو تم اسلام سے روگردانی کر جاؤ گے؟''

غامدی صاحب کی دفاعی جہاد میں خودساختہ شرائط:

فرماتے ہیں:

۱۔ قتال جس صورت میں بھی ہو، اس کے لیے اقتدار ایک لازمی شرط ہے۔ (ندائے ملت)

۲۔ گویا وہی اقدام جہاد قرار پائے گا جس میں اقدام ظلم وعدوان کے خلاف ہو، منظّم حکومت کے تحت ہو اور علانیہ ہو۔ ان شرائط کو پورا کیے بغیر کسی کارروائی کو جہاد سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ (روزنامہ پاکستان)

۳۔ جہاد تبھی جہاد ہوتا ہے جب مسلمانوں کی حکومت اس کا اعلان کرے۔ مختلف مذہبی گروہوں اور جتھوں کے جہاد کو جہاد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (پشاور پریس کلب اشراق مارچ ۲۰۰۱ء)

محترم قارئین! غامدی صاحب کی خانہ ساز شرائط جہاد پر تنقید سے پہلے ضروری ہے کہ ریاست اور ملت کی اصطلاحات کا جائزہ لے لیا جائے کیونکہ موجودہ دور میں ریاست کا مغربی تصور اس قدر عام ہو چکا ہے کہ بڑے بڑے دینی حلقے بھی اس کے اثرات فاسدہ سے محفوظ نہیں رہے اور واقعاتی طور پر دنیا کے تمام علاقے اور ممالک خواہ وہ مسلمانوں کے زیر اقتدار ''مسلم علاقے'' ہوں، اس وقت مغرب کے تصور ریاست کے پنجہ استبداد میں یو۔این۔او کے ممبر ہیں اور ملت کا اسلامی تصور واقعاتی طور پر ارض اللہ سے عنقا ہے۔

ریاست کا مغربی تصور:

مغرب نے ریاست کا جو تصور پیش کیا ہے، اس کے عناصر اربعہ یہ ہیں:

۱۔ علاقہ ۲۔ آبادی ۳۔ اقتدار اعلیٰ ۴۔ حکومت۔

قدرتی یا طبعی حوادث سے وجود پانے والی ان ریاستوں میں قومیتوں کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے اور ہر خطے کی بھاری اکثریت کو اسے خطے کا اقتدار بخشا جاتا ہے۔ چونکہ ان ریاستوں کے اشتراک سے وجود پانے والی ایک قوم کسی بھی دوسری قومی ریاست سے دوستی اور دشمنی کے معیار میں مذہب کو پرکاہ کے برابر حیثیت بھی نہیں دیتی بلکہ مذہب کو ایک خارجی اور نجی معاملہ سمجھ کر کونے میں لگا دیا جاتا ہے، پھر اس قومی ریاست کی اندھی عصبیت میں ہر اقدام کی بنیاد وطن پرتن، من، دھن قربان کیا جاتا ہے اور ریاست کے ہر فرد کے لیے سب سے مقدس چیز وہی دھرتی قرار پاتی ہے جہاں اس نے آنکھ کھولی اور اس کے لیے ریاستی باشندہ اپنا خون تو پیش کر سکتا ہے مگر اپنی ''ریاست'' سے جدائی کسی حال میں بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

ملت کا تصور:

اسلام نے دین (مذہب) کی بنیاد پر اجتماعیت کو استوار کرنے کو ترجیح دی اور ایسی اجتماعیت جس میں وجہ اجتماع دین (مذہب) ہو، اسے ملت سے موسوم کیا اور ہر اس شخص کو ملت کا باقاعدہ فرد قرار دیا جو کلمہ پڑھ کر دین اسلام میں داخل ہو جائے خواہ اس کا رنگ کالا ہو یا سفید، اس کی زبان انگریزی ہو یا پنجابی۔ اسلام نے ان ساری جز وقتی اور محدود نسبتوں کو پس دیوار ڈال کر دین ومذہب کے رشتے کو مضبوط کیا اور اس کی تقویت کا اندازہ صرف اس بات سے بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ دین ومذہب کو بچانے اور اس پر قائم ودائم رہنے کے لیے اسلام نے حسب ونسب، کنبے قبیلے اور وطن وملک کو ایک لمحہ نظر انداز کر دیا۔ لہٰذا ملت اسلامیہ ذات پات کی قیدوں، ملک وریاست کی حد بندیوں اور رنگ وزبان کے تعصّبات سے یکسر آزاد ہے۔ ملت اسلامیہ کو مربوط کرنے کے لیے اسلام نے صرف شریعت محمد ﷺ کی حد بندی

مقرر کی ہے۔ اگرچہ ملت اسلامیہ کا قیام خطہ ارضی پر ہی ممکن ہے تاہم یہ خطہ ارضی اور ریاست ثانوی حیثیت کے حامل ہیں۔

اب ہم غامدی صاحب کی شرائط کا جائزہ لیتے ہیں:

۱۔ جہاد منظّم حکومت کے تحت ہو؟:

اگر منظّم حکومت سے مراد وہ جدید ریاست جو مذکورہ عناصر اربعہ سے تشکیل پاتی ہے اور علاقے کی اکثریت کی وہاں حکمرانی ہوتی ہے جبکہ ایک اپوزیشن پارٹی ہوتی ہے......تو معاف کیجئے گا کہ اسلام میں حکومت وریاست کا یہ تصور نہیں! لیکن اگر آپ کی مراد اسلامی حکومت ہے جو نظام خلافت سے تشکیل پاتی ہے تو پھر اقدامی جہاد میں اسلامی حکومت کی شرط فی الواقع معقول ہے لیکن دفاعی جہاد بھی اس شرط سے مشروط کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا نہ شریعت نے یہ شرط لگائی ہے۔ (اگر کوئی شرعی شرط آپ کے علم میں ہے تو برائے مہربانی ضرور مطلع فرمادیں) اور نہ ہی عقل اسے تسلیم کرتی ہے کہ ایک طرف مسلمانوں کی گردنیں کاٹی جارہی ہوں اور وہ گائے بن کر حکومت کے اشارے کے منتظر رہیں کہ کب ہمیں سرکار سے اجازت ملتی ہے کہ ہم اپنے ظلم کا بدلہ لیں اور جوابی کارروائی کریں۔ اگرچہ اتحاد اور نظم وضبط کے فوائد سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن واقعاتی طور پر جب کسی جگہ حملہ کیا جاتا ہے تو حملہ آور کی کامیابی ہی اس میں ہے کہ وہ اہل علاقہ کا نظام تباہ کریں، حکومت اور عوام کے درمیان رابطہ منقطع کریں، ارباب اقتدار کا خاتمہ کریں، دارالحکومت پر قبضہ کریں۔ اسی لیے جنرل ایوب نے کراچی کی بجائے پاکستان کے درمیانی علاقے اسلام آباد کو دارالحکومت بنادیا۔ سب سے پہلے نظام حکومت ہی ہلانے کا بنیادی ٹارگٹ ہوتا ہے اور خود اللہ نے مسلمانوں کو یہ جنگی اصول سکھایا:

﴿فَقَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾ [1]

''کفر کے اماموں کو قتل کرو۔''

لہٰذا! جب کہیں مسلمانوں پر حملہ ہو اور مسلمانوں کی حکومت ابھی محفوظ ہو تو خود حکومت عوام کی راہ نمائی ضرور کرے گی کیونکہ مسلم آبادی پر ایسی ضرورت میں جہاد فرض عین ہو جاتا ہے جس میں کسی فقہی مذہب کا اختلاف نہیں لیکن عوام چونکہ حملے کی صحیح پوزیشن سے ناواقف ہوتے ہیں، اس لیے حکومت ہر ممکنہ طریقے سے انہیں صحیح راہ نمائی دے کر دشمن کے خلاف لڑائے گی لیکن بالفرض اگر مسلم حکومت ہی کا خاتمہ ہو جائے اور کفار اپنا تسلط جمالیں تو کیا ایسی صورت میں کفار سے کچھ ماہ یا دنوں کی مہلت مانگی جائے کہ ہم ذرا اپنی حکومت بحال کرلیں! یہ کونسی دانشمندی یا علمی بصیرت ہے! بلکہ فی الواقع یہ تو ناممکن ہے کہ مسلم آبادی دشمن سے دفاع اور جنگ کی بجائے کسی اور قضیے کا حل تلاش کرنا شروع کردے۔

اس فلسفے کے مطابق اہل کشمیر مظلوم بیچارے بدقسمت ٹھہرے کہ وہ ہندوانہ تسلط کے خلاف آواز اٹھانے اور ان کے خلاف جہاد کرنے سے پہلے علاقے میں اپنی حکومت کے قیام کا بندوبست کریں چنانچہ نہ کشمیری مسلمانوں کی حکومت قائم ہو اور نہ ہندوانہ تسلط وجبر واستبداد کا خاتمہ ہو اور اہل کشمیر تا قیامت اپنی ''تقدیر'' کے مطابق ہندو کے پنجۂ استبداد میں چپ سادھ لیں اور اگر کوئی مظلوم فرد یا تنظیم اپنے حق آزادی اور ظلم کے خلاف کوئی اقدام کرے تو اسے باعزت طریقے سے ''امریکہ'' کے حوالے کردیا جائے!!! اللہ تعالیٰ نے جب

تک (مکی دور میں) مسلمانوں کو کافروں کے خلاف لڑنے کی اجازت نہیں دی تھی تب تک تو آپ کے فلسفے اور قانون جہاد کے مطابق مسلمانوں کو صبر کرنے، ظلم برداشت کرنے اور اسلام کو بچانے کے لیے جان قربان کرنے میں ہی منشائے الٰہی تھی لیکن جب اللہ تعالیٰ نے جہاد فرض کر دیا تو پھر ظلم کے خلاف نہ صرف اجازت دی بلکہ ظلم کے بدلے کو انتہائی مستحسن اقدام قرار دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَیْهِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ ...... ﴾ ①

''جو (مظلوم) ظلم کیے جانے کے بعد اپنا بدلہ لے، ان پر کوئی الزام نہیں۔''

﴿ وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ﴾ ②

''اور (مسلمانو!) اگر تم سزا دو تو اتنی ہی دو جتنی سزا تمہیں دی گئی تھی۔''

﴿ وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ﴾ ①

''اور برائی کا بدلہ اسی کے برابر ہونا چاہیے۔''

﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ ﴾ ②

''لہٰذا جو کوئی تم پر زیادتی کرے، تم اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔''

غامدی صاحب ذرا فرمائیں کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ظلم کے خلاف بدلہ لینے کو حکومت کی شرط سے مشروط کیا ہے؟

صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ قریش کا جو آدمی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر یعنی بھاگ کر محمد ﷺ کے پاس جائے گا، محمد ﷺ اسے واپس کریں گے۔ جب رسول کریم ﷺ مدینہ واپس تشریف لے آئے تو ابوبصیر رضی اللہ عنہ نامی ایک مکی مسلمان جسے مکہ میں اذیتیں دی جاتی تھیں، وہ چھوٹ کر بھاگ نکلا۔ قریش نے ان کی واپسی کے لیے دو آدمی بھیجے اور یہ کہلوایا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان عہد و پیمان ہے، اس کی پابندی کیجیے۔ نبی ﷺ نے ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو ان دونوں کے حوالے کر دیا۔ یہ دونوں اسے لا رہے تھے کہ ذوالحلیفہ کے مقام پر ایک چال کے ساتھ ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو قتل کر دیا اور دوسرا بھاگ کر مدینے پہنچ گیا۔ نبی ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ ''یہ خوفزدہ نظر آتا ہے۔'' اس نے کہا ''بخدا! میرا ساتھی قتل کر دیا گیا ہے اور مجھے بھی قتل کر دیا جائے گا۔ اتنے میں ابوبصیر رضی اللہ عنہ آ گئے اور بولے: ''یا رسول اللہ ﷺ! اللہ نے آپ کا عہد پورا کر دیا کہ آپ نے مجھے ان کی طرف پلٹا دیا۔ پھر اللہ مجھے ان سے نجات دی۔'' رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''اس کی ماں کی بربادی ہو، اسے کوئی ساتھ مل جائے تو یہ جنگ کی آگ بھڑکا دے گا۔'' یہ سن کر ابوبصیر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ انہیں پھر کافروں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اس لیے وہ مدینہ سے نکل کر ساحل سمندر پر آ گئے۔ ادھر ابوجندل بن سہیل رضی اللہ عنہ بھی چھوٹ بھاگے اور ابوبصیر سے آ ملے یہاں تک کہ ان کی ایک جماعت اکٹھی ہو گئی۔ اس کے بعد ان لوگوں کو ملکِ شام آنے جانے والے کسی بھی قریشی قافلے کا پتہ چلتا تو وہ اس سے چھیڑ چھاڑ کرتے اور قافلے والوں کو مار کر ان کا مال لوٹ لیتے۔ (جو در اصل سابقہ ظلم کا ردعمل

تھا) قریش نے تنگ آ کر نبی ﷺ کو اللہ اور قرابت کا واسطہ دے کر پیغام بھیجا کہ آپ انہیں اپنے پاس بلا لیں اور اب جو بھی آپ کے پاس جائے گا، مامون رہے گا۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے انہیں بلوا لیا اور وہ مدینہ آ گئے۔ ①

اس واقعہ کی روشنی میں مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں: ۱۔ کیا ابو بصیر کے اقدامات جائز تھے یا ناجائز تھے؟ ۲۔ اگر ناجائز تھے تو نبی کریم ﷺ نے ان کی زجر و توبیخ کیوں نہ فرمائی؟ ۳۔ اگر جائز تھے تو پھر یہ کس منظّم حکومت کی اجازت سے تھے؟

ابو بصیر اور ابو جندل رضی اللہ عنہما کے واقعہ سے ثابت ہوا کہ ظلم کے خلاف بدلہ لینے کے لیے منظّم حکومت کی صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک کوئی شرط نہ تھی وگرنہ وہ اس شرط کا ضرور اہتمام کرتے لیکن اگر ایسی کوئی شرط آپ کے بقول تھی تو کیا آپ (نعوذ باللہ) ان صحابہ رضی اللہ عنہم پر اپنی تعریف کی روشنی میں دہشت گردی کا الزام لگانے کی ہمت کریں گے!

۴ ہجری کو رسول کریم ﷺ کے پاس عضل اور قارہ (قبائل) کے کچھ لوگ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کچھ لوگوں کو دین سکھانے اور قرآن کی تعلیم دینے کے لیے ہمارے ہمراہ روانہ کیجیے۔ آپ نے کچھ لوگوں کو سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی امارت میں روانہ کر دیا۔ جب یہ لوگ رجیع نامی چشمے پر پہنچے تو مذکورہ قبائل کے افراد نے قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ بنولحیان کو ان کے پیچھے لگا دیا۔ بنولحیان کے تقریباً سو تیر انداز ان کے نشانات قدم دیکھتے ہوئے ان صحابہ تک جا پہنچے۔ صحابہ کرام ایک ٹیلے پر پناہ گزیں ہو گئے۔ بنولحیان نے انہیں گھیرے میں لے کر کہا کہ تمہارے لیے عہد و پیمان ہے کہ اگر تم ہمارے پاس اتر آؤ تو ہم تمہارے کسی آدمی کو قتل نہیں کریں گے۔ سیدنا عاصم نے اترنے سے انکار کر دیا اور اپنے رفقاء سمیت ان سے جنگ شروع کر دی۔ بالآخر سات صحابی شہید ہو گئے۔ بنولحیان نے اپنا عہد و پیمان پھر دہرایا تو باقی تین صحابی ان کے پاس اتر آئے لیکن انہوں نے قابو پاتے ہی بدعہدی کی اور انہیں اپنی کمانوں کی تانت سے باندھ لیا۔ اس پر تیسرے صحابی نے یہ کہتے ہوئے کہ یہ پہلی بدعہدی ہے، ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ تو انہوں نے اسے بھی شہید کر ڈالا اور باقی دو صحابہ کو مکہ لے جا کر بیچ دیا۔'' ①

مذکورہ واقعہ سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کی اجتماعیت کی بنیاد دین ہے۔ اگر کہیں تین مسلمان بھی ہوں تو وہ ایک کو اپنا امیر مقرر کر کے ملت اسلامیہ کی اجتماعیت کی طرح ڈالتے ہیں اور جب کہیں جہاں کبھی بھی ملت اسلامیہ کے افراد پر کافروں کا ظلم ہو اور کوئی مسلم حکومت ان کی مدد نہ کرے تو وہ اپنا دفاع کرنے کے لیے آزاد ہوں گے۔ اگر کوئی حکومت (ارباب اقتدار) کفار کی سازشوں اور ذاتی مفادات کا شکار ہو کر اپنی مسلم آبادی پر ہونے والے ظلم کی سرکوبی اور بغاوت کا مداوا نہ کریں تو خود مسلم آبادی بحکم الٰہی اپنے اوپر ہونے والی ظلم و زیادتی کے خلاف اٹھ کھڑا ہونے کی مجاز ہے۔ اگر بالفرض ارباب اقتدار کسی معاہدے کے پابند ہوں تو مظلوم مسلمان ابو بصیر رضی اللہ عنہ کی طرح استثنائی صورت پیدا کر کے اپنے حقوق کی محافظت اور ظلم کا بدلہ لے سکتے ہیں۔

عہد نبوی میں شہر بن باذان صحابی رضی اللہ عنہ یمن کے گورنر مقرر تھے لیکن ان کی وفات پر اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور اپنی قوم آل یحابر کو لے کر صنعاء (دارالحکومت) پر قبضہ جما لیا اور باذان کی بیوی ''مرزبانہ'' کو زبردستی اپنے حرم میں شامل کر لیا۔ اس طرح ایک اسلامی علاقہ کفار کے تسلط میں چلا گیا۔ چنانچہ فیروز دیلمی قیس بن عبد یغوث، دادویہ رضی اللہ عنہم اور کچھ دیگر صحابہ نے مرزبانہ کے ساتھ مل کر اسود عنسی کے

خلاف کارروائی کا پروگرام تشکیل دیا۔ حسب پروگرام مرزبانہ نے اس رات اسود عنسی کو بہت زیادہ شراب پلا کر مدہوش کر دیا جبکہ دیگر صحابہ نے اس محل کی دیوار میں نقب لگایا اور اندر جا کر اسود عنسی کو قتل کر دیا۔ چنانچہ اس طرح اسود عنسی کے غاصبانہ تسلط کا خاتمہ کیا گیا۔

صحیح روایات کے مطابق نبی کریم ﷺ نے بذریعہ وحی اپنے صحابہ رضی اللہ عنہ کو اس گوریلا کارروائی سے مطلع کیا اور جب یہ خبر یمن سے مدینہ پہنچی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بن چکے تھے۔ [1]

نبی کریم ﷺ کے دور میں یہ گوریلا کارروائی کی گئی جبکہ یمن میں کوئی ''منظّم حکومت'' اس وقت موجود نہ تھی بلکہ اسود عنسی جس نے منظّم حکومت کا شیرازہ بکھیرا تھا، اس کذاب کو ''غیر علانیہ'' خفیہ طور پر اور بغیر کسی ''منظّم حکومت'' کے قتل کر کے اسلامی اقتدار بحال کیا گیا۔

غامدی صاحب بتائیں کہ وہ عہد نبوی کی اس گوریلا کارروائی کو دہشت گردی کہنا پسند کریں گے؟ اگر یہ دہشت گردی ہے تو پھر آپ کے منطقی فیصلے کے مطابق مذکورہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (معاذ اللہ) دہشت گرد قرار پائیں گے!

لیکن اگر آپ اس گستاخی سے بچنے کے لیے مذکورہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر دہشت گردی کے الزام سے ''کنی کتراتے ہیں'' تو اسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم پر عمل کرنے والوں کو کس منہ سے دہشت گرد کہہ سکتے ہیں۔

خود ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

۲۔ جہاد ظلم کے خلاف ہو؟:

اس بات سے ہمیں اتفاق ہے کہ جہاد ظلم کے خلاف ہونا چاہیے لیکن یاد رکھیے کہ ظلم دو طرح کا ہے۔ لوگوں کی حق تلفی اور اللہ تعالیٰ کی حق تلفی۔

جس طرح انسانوں کے حقوق کو مجروح کرنے والے کے خلاف بھی کارروائی کی جائے گی اور شرک اللہ کی حق تلفی میں سب سے بڑا ظلم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ [2]

''بلاشبہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

لہٰذا! جہاں کہیں مسلمان مستحکم پوزیشن میں ہوں تو ان پر فرض ہے کہ قریبی کافروں اور مشرکوں کے خلاف علم جہاد بلند کریں کیونکہ ان لوگوں نے اسلام کو پس پشت ڈال کر اور دعوت توحید کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے سب سے بڑے ظلم کا ارتکاب کیا ہے جن کی سزا بہرحال انہیں ملے گی خواہ وہ جزیہ کی صورت میں ہو یا قتال کی صورت میں۔ نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے طرز عمل سے ہم اس کی بے شمار مثالیں ذکر کر چکے ہیں۔ لیکن غامدی صاحب بتائیں کہ وہ اپنی شرط کی پابندی سے کیوں کنی کتراتے ہیں؟ کیا دنیا سے کفر و شرک کا سب سے بڑا ظلم اور اللہ تعالیٰ کے حق توحید پر ڈاکہ زنی ختم ہو چکی تھی کہ آپ نے اقدامی جہاد کی ''حرمت'' کا فتویٰ دے دیا ہے! کیا آپ کے

نزدیک اللہ کے حق توحید کی پاسداری کوئی وقعت واہمیت کے لائق نہیں؟

علاوہ ازیں آپ کی ہی مذکورہ شرط کے مطابق ہم یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ کشمیر پر گزشتہ نصف صدی سے ہندوانہ تسلط کیا ظلم نہیں؟ فلسطین میں یہودیانہ مداخلت اور جبر واستبداد ظلم نہیں؟ افغانستان میں امریکی جارحیت اور ہزاروں نہتے عوام کا وحشیانہ قتل ظلم نہیں؟ بوسنیا، چیچنیا، اریٹیریا، فلپائن، فلسطین وکشمیر وغیرہ میں اب تک لاکھوں مسلمان مرد وزن اور بچوں، بوڑھوں کا بہیمانہ قتل ظلم نہیں؟ کیا مسلمانوں پر ہونے والے ظلم وجور کو "عین عدل" قرار دیں گے!!

اگر آپ کے دل میں اپنے مسلمان بھائیوں کیلئے ادنیٰ سا رحم بھی ہوتا تو آپ ان کے خلاف دل آزار بیان بازیوں کی بجائے ان کے حق میں آواز بلند کرتے۔

لیکن آپ امریکہ کی بے جا مداخلت اور وحشت وبربریت کو کسی طرح دہشت گردی تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں بلکہ آپ کی زبان غیر مسلموں کی ترجمان ہے۔ بقول شاعر ؎

انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زباں میری ہے بات ان کی
انہی کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی

جہاد علانیہ ہو؟:

شریعت محمدیﷺ کے مطابق کسی بھی علاقے کے کافروں کے خلاف اقدامی جہاد میں حملے سے پہلے اتمام حجت کے لیے اسلام کی دعوت پیش کی جاتی ہے۔ اگر وہ لوگ اسلام قبول نہ کریں تو ان سے جزیہ کی وصولی کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور اگر وہ اس دوسری صورت کو بھی اختیار نہ کریں تو ان کے خلاف باقاعدہ مسلح کارروائی کی جاتی ہے کیونکہ انہوں نے اللہ کے احکامات کو پس پشت ڈال کر حقوق اللہ میں ظلم عظیم کا ارتکاب کیا ہے لیکن اگر جہاد کی دفاعی پوزیشن ہو یعنی غیر مسلم کسی مسلم آبادی پر ظالمانہ کارروائی کریں تو اس ظلم کا بدلہ لینے کے لیے جس طرح منظّم حکومت کی کوئی شرط نہیں، اسی طرح ظالم حملہ آوروں کو الٹی میٹم دینا بھی ضروری نہیں بلکہ ظالم کا ظلم وتعدی بذات خود اس کے خلاف الٹی میٹم ہے۔

جنگ خندق ایک مدافعانہ جنگ تھی جس میں رسول کریمﷺ نے حملہ آوروں کو کوئی ایسی شرط پیش نہیں کی جو اقدامی جہاد میں پیش کی جاتی تھیں، فتح مکہ کے وقت اس لحاظ سے مدافعانہ صورت تھی کہ صلح حدیبیہ کی شروط کو پامال کرتے ہوئے بنوبکر نے بنوخزاعہ پر حملہ کیا اور قریش نے انکا ساتھ دیا، اس معاندانہ کارروائی کے خلاف رسول کریمﷺ نے غیر اعلانیہ خروج کیا اور لشکر کی تیاری نہایت رازداری اور اخفا سے کی گئی حتیٰ کہ حاطب بن ابی بلتعہ نے کفار قریش کو اس حملہ سے متنبہ کرنے کے لیے ایک جاسوس عورت کو خط دے کر بھیجا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بذریعہ وحی اس سے متنبہ کر دیا اور وہ خط پکڑا گیا۔[1]

اس طرح اس کارروائی کی کوئی خبر قریش مکہ تک نہ پہنچ سکی اور لشکر محمدی بلا اطلاع اچانک ان کے سروں پر جا پہنچا انہیں تیاری کا موقع ہی نہ ملا چنانچہ بغیر جنگ کے مکہ فتح کر لیا گیا۔ غامدی صاحب! بتایئے اللہ کے رسولﷺ کا یہ اقدام غیر اعلانیہ نہیں؟

اللہ کے رسول ﷺ نے تو آپ کی اس شرط پر عمل نہیں کیا اب ذرا ہمت کیجیے گستاخ رسول بننے کی ! کیونکہ آپ کی خودساختہ شرائط میں سے اگر ایک بھی شرط مفقود ہوگئی تو وہ کارروائی کھلی دہشت گردی ہے تو کیا رسول کریم ﷺ کے اس غیر اعلانیہ اقدام پر آپ (معاذ اللہ) اللہ کے رسول کو دہشت گرد کہنے کی جرأت کریں گے؟

واقعہ بئر معونہ میں ستر قراء صحابہ کا دھوکے سے محاصرہ کرلیا گیا لیکن انہوں نے کوئی اعلانیہ الٹی میٹم نہیں دیا بلکہ فوری طور پر مدافعانہ صورتحال سنبھال کر لڑائی شروع کردی تھی کیونکہ اعلانیہ کی شرط اقدامی جہاد سے متعلق ہے جس کا سہارا لے کر آپ مدافعانہ جہاد کا بھی خاتمہ فرمانا چاہتے ہیں کہ کہیں کوئی مظلوم مسلمان اپنے ظلم کا بدلہ لینے کی کوئی سبیل نہ نکال پائے!

کیا ابوبصیر اور ابوجندل رضی اللہ عنہما وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقدامات اعلانیہ تھے؟ کیا جنگ بدر سے قبل ہونیوالی گوریلا کارروائیاں اعلانیہ تھیں؟ خود جنگ بدر کی کارروائی نبی ﷺ نے غیر اعلانیہ فرمائی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ ابوسفیان نے حالات کی نزاکت کو بھانپ کر راستہ بدل لیا اور ابوجہل کے مسلح لشکر سے لشکر محمدی ﷺ کا معرکہ حق و باطل برپا ہوا اور اسی غیر اعلانیہ اقدام میں کفر کے بڑے بڑے لیڈر واصل جہنم ہوئے۔

امام شافعی وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا کی تفسیر میں امام شافعی فرماتے ہیں:

«اِنَّ لِلْاِنْسَانِ أَنْ يَّاخُذَ مِنْ مَّالِ مَنْ خَانَهُ مِنْ غَيْرِ عِلْمِهِ» [1]

''اس آیت سے ثابت ہوا کہ انسان اس آدمی کا مال بلا اطلاع حاصل کرسکتا ہے جس نے اس کے مال میں خیانت کی ہو۔''

بسا اوقات حالات ہی ایسے ہوتے ہیں کہ ظالم کی بے خبری ہی میں اپنے ظلم کا انتقام لینا ممکن ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ظلم کا بدلہ لینے کے لیے کسی اعلان کی شرط نہیں لگائی اگر قرآن مجید میں یا رسول کریم ﷺ کی سنت میں ایسی کوئی شرط ہے تو از راہ کرم ضرور مطلع فرمائیں۔

غامدی صاحب کی خودساختہ شرائط اور منافقانہ پالیسی:

غامدی صاحب کی عائد کردہ خانہ ساز شرائط بہرحال افغانستان پر امریکی جارحیت کے وقت طالبان میں بدرجہ اتم موجود تھیں، طالبان کی منظّم حکومت بھی موجود تھی اور ان پر ہونے والی جارحیت آپ کے سوا ساری دنیا کی نظر میں کسی ظلم سے کم نہیں تھی لیکن اس کے باوجود آپ نے انہیں دہشت گرد ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اور ستم بالائے ستم یہ کہ امریکی اقدام کہ جس کو خود کئی امریکی نمائندوں نے ظلم وستم اور دہشت گردی سے موسوم کیا، اسے آپ نے امن کا خوشہ چیں قرار دیا کہ ''امریکہ امن کی جنگ لڑ رہا ہے'' افغانستان پر امریکی حملے دہشت گردی نہیں'' ''افغانستان میں اسلام اور کفر کی جنگ نہیں، دہشت گردی اور امن کی جنگ ہے'' ''دہشت گردی کے خلاف اس عالمی جنگ میں پوری قوت کے ساتھ شریک ہونا چاہیے۔'' کیا افغانی مسلمانوں کی مدد کے لیے؟ نہیں بلکہ امریکہ کی حمایت کے لیے ؎

تیری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی

وہ تیرگی جو میرے نامۂ سیاہ میں تھی

امت مسلمہ کو اب کسی جہاد کی ضرورت نہیں؟:

غامدی صاحب فرماتے ہیں کہ امت مسلمہ اس وقت کسی جہاد کی اہلیت نہیں رکھتی ، اپنی قوت ان حالات میں ہمیں علم و اخلاق میں اعلیٰ مراتب کے حصول اور دین کی دعوت پر صرف کرنی چاہیے۔

ایک سوال کے جواب میں غامدی صاحب فرماتے ہیں کہ دین کے نفاذ کیلئے اگر دعوت اور صرف دعوت کا طریقہ اختیار کیا جائے تو اس کی جدوجہد آپ سے آپ اغراض و مقاصد سے پاک ہو جائے گی۔ (ندائے ملت اشراق نومبر ۲۰۰۱)

غامدی صاحب کے مذکورہ فرمودات سے ہمیں اتفاق نہیں کیونکہ یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ ساری دنیا میں مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں۔ کشمیر و فلسطین، بوسنیا و چیچنیا، الجزائر و فلپائن غرض ہر جگہ خون مسلم ہی ارزاں ہے!! ان حالات میں اپنے حقوق کا دفاع اولین اور باقی چیزیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔

اسی طرح یہ بات بھی غلط ہے کہ دین کے نفاذ کے لیے صرف ''دعوت ایمپائر'' ہی کھڑی کی جائے تاہم دعوت دین کی اہمیت سے مجال انکار نہیں لیکن اس دعوت کے ساتھ جب تک جہاد کی قوت نہ ہو، دعوت مؤثر کردار ادا نہیں کر سکتی۔ اس لیے دعوت و جہاد دونوں ہی لازم و ملزوم ہیں۔ اگر دعوت قالب ہے تو جہاد قلب، اگر دعوت بدن ہے تو جہاد اس کی روح ہے۔

اس سلسلے میں یہی دلیل کافی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے دعوت و جہاد میں سے کسی ایک پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حالات کے مطابق دونوں ذرائع کو استعمال کر کے دین اسلام کو نافذ کیا لہٰذا اس منہج نبوی ﷺ سے سر مو انحراف ممکن نہیں۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[1]

''اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔''

❀ ...... ❀ ...... ❀
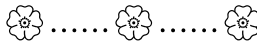
طاغوت سے برتاؤ؟

سوال ا: طاغوت کی تعریف کیا ہے؟ نیز قرآن وسنت سے طاغوت سے برتاؤ کی صورت کیا ہے؟

جواب (ا) طاغوت کی تعریف اور مفہوم:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الَّذِیْ جَعَلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَوْلِیَآءَ هُ وَ جَعَلَ الْکَافِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ الطَّاغُوْتِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ الَّذِیْ قَاتَلَ لِتَکُوْنَ کَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا وَ تَکُوْنَ کَلِمَةُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا السُّفْلٰی...... وَ اَمَّا بَعْدُ !!

اَلطَّاغُوْتُ : مِنْ طَغَی ، یَطْغِیْ وَ یَطْغُوْ (إِذَا جَاوَزَ الْحَدَّ)

اَلطَّاغُوْتُ : اَلْکَاهِنُ وَالشَّیْطَانُ وَ کُلُّ رَأْسٍ فِیْ الضَّلَالِ ۔

اَلطَّاغُوْتُ : الشَّیْطَانُ أَوِالْأَصْنَامُ أَوْ أَهْلُ الْکُهَّانَةِ وَرُؤُوْسُ الضَّلَالَةِ۔

اَلطَّاغُوْتُ : اَلْکَاهِنُ وَالسَّاحِرُ وَالشَّیْطَانُ وَ مَا یُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔

اَلطَّاغُوْتُ : کُلُّ مَعْبُوْدٍ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَوْ مُطَاعٍ فِیْ مَعْصِیَةِ اللّٰهِ ۔

اَلطَّاغُوْتُ : اَلْأَنْدَادُ وَالْأَوْثَانُ وَ مَا یَدْعُوْ إِلَیْهِ الشَّیْطَانُ مِنْ عِبَادَةِ کُلِّ مَا یُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔

اَلطَّاغُوْتُ : مَنْ عَدَلَ عَنِ الْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالتَّحَاکُمِ إِلٰی مَا سِوَاهُمَا مِنَ الْبَاطِلِ۔

اَلطَّاغُوْتُ : الشَّیْطَانُ فِیْ صُوْرَةِ إِنْسَانٍ یَتَحَاکَمُوْنَ إِلَیْهِ وَ هُوَ صَاحِبُ أَمْرِهِمْ ۔

اَلطَّاغُوْتُ : کُلُّ مَا عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَوْصُدَّ عَنْ عِبَادَةِ اللّٰهِ ۔

اَلطَّاغُوْتُ : يُطْلَقُ لِكُلِّ بَاطِلٍ مِنْ مَعْبُوْدٍ أَوْ غَيْرِہٖ ۔

طاغوت کی یہ تعریفات تفسیر فتح القدیر، ابن کثیر اور تفسیر بیضاوی سے نقل کی گئی ہیں۔ جن سے واضح ہوا کہ طاغوت کا اطلاق نافرمانی و سرکشی میں حد سے بڑھے ہوئے، شیطان، نجومی، جادوگر، بڑے گمراہ، بت اور ہر وہ چیز جس کی اللہ کے علاوہ پوجا ہو، اللہ کی نافرمانی میں جس کی اطاعت ہو، کتاب وسنت کے علاوہ کسی کے ہاں فیصلہ لے جانا، جو خود اللہ کی عبادت سے رکے اور دوسروں کو روکے، وغیرہ پر ہوتا ہے۔ (مصباح اللغات اور المنجد میں ہے ''کسی آدمی کا ظلم اور گناہوں میں حد سے بڑھ جانا، بدی اور شرارت کا سرغنہ)

تفسیر تفہیم القرآن میں ہے:

''اللہ سے منہ موڑ کر انسان ایک ہی طاغوت کے چنگل میں نہیں پھنستا بلکہ بہت سے طواغیت اس پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ ایک طاغوت شیطان ہے، دوسرا آدمی کا اپنا نفس ہے اور بے شمار طاغوت باہر کی دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بیوی اور بچے، اعزہ اور اقربا، برادری اور خاندان، دوست اور آشنا، سوسائٹی اور قوم، پیشوا اور رہنما، حکومت اور حکام یہ سب اس کے لیے طاغوت ہی طاغوت ہوتے ہیں۔'' ①

تفسیر احسن التفاسیر میں ہے:

''اللہ کی تعظیم کے سوا جس کسی کی تعظیم اللہ کی تعظیم کے برابر کی جائے اس کو طاغوت کہتے ہیں۔'' ①

تفسیر اصدق البیان میں ہے:

''ہر وہ شخص جو حدود شکن ہو اور ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا پرستش کی جائے اور نافرمانی میں حد سے تجاوز کرنے کی بنا پر ساحر، کاہن، سرکش اور ہر وہ چیز جو طریقۂ حق سے پھیرنے والی ہو اسے طاغوت کہتے ہیں۔'' (مفردات امام راغب) طاغوت کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جس کی عبادت کرنا سرکشی کا اور حق وصداقت سے نکلنے کا سبب ہو خواہ کسی مخلوق کی عبادت ہو یا کسی لیڈر کی تقلید یا خواہشات کی تابعداری۔'' ②

تفسیر ضیاء القرآن میں ہے:

''طاغوت کاہنوں کو بھی کہا جاتا ہے جو غیب دانی کے جھوٹے دعوے کر کے لوگوں کو اپنے دام فریب میں پھنسایا کرتے ہیں۔ اس کا اطلاق شیطان پر بھی ہوتا ہے اور وہ شخص بھی طاغوت ہے جو کسی گمراہ مذہب، غلط نظریہ اور مضر عمل کا بانی اور کرتا دھرتا ہو اور وہ بھی طاغوت ہے جو احکام الٰہی کے خلاف اپنے وضع کردہ قوانین کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کرے۔ طاغوت کا اطلاق کاہن اور شیطان پر بھی ہوتا ہے اور اس شخص کو بھی طاغوت کہتے ہیں جو کسی گمراہی کا سرغنہ ہو۔ طاغوت سے مراد وہ حاکم اور عدالت ہے جو احکام الٰہی کے خلاف مقدمات کا فیصلہ کرے۔'' ③

تفسیر تیسیر القرآن میں ہے:

”طاغوت ہر وہ باطل قوت ہے جو اللہ کے مقابلہ میں اپنا حکم دوسرے سے منوائے یا لوگ اللہ کے مقابلہ میں اس کے احکام تسلیم کرنے لگیں خواہ وہ کوئی مخصوص شخص ہو یا ادارہ ہو اور ظاہر ہے یہ مقتدر قسم کے لوگ ہی ہو سکتے ہیں خواہ وہ مذہبی ہوں یا سیاسی، مثال کے طور پر آج کل جتنی قومی، لسانی یا علاقائی تحریکیں چل رہی ہیں یہ سب اسلام کی رو سے ناجائز ہیں اب جو شخص یا ادارہ ایسی تحریکوں کو چلائے گا وہ طاغوت ہے۔ اسی طرح شیطان بھی طاغوت ہے اور پیر فقیر بھی جو خود بھی معصیت کے مرتکب ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی ایسی ہی تلقین کرتے ہیں اسی طرح ہر انسان کا اپنا نفس بھی طاغوت ہو سکتا ہے۔“ ①

اب ہم سوال (ا) کے حصہ ”ب“ یعنی قرآن وسنت کی رو سے طاغوت کے ساتھ برتاؤ کی کیا صورت ہے؟ کو لیتے ہیں۔

طاغوت کی مذکورہ تعریفات ومفاہیم سے واضح ہوا کہ طاغوت طاغوت میں فرق ہے۔ ایک طاغوت وہ ہے جو کلمے کا اقراری ہے اور ایک طاغوت جو کلمے کا انکاری ہے۔ ظاہر ہے جو برتاؤ کلمے کے انکاری کے ساتھ ہوگا وہ کلمے کا اقراری یعنی کلمہ گو کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ قرآن وحدیث میں تو کلمے کا انکاری کافروں طاغوتوں کے مابین بھی فرق کیا گیا ہے کہ ایک طاغوت کافر ہے، کلمے کا انکاری ہے اور مسلمانوں سے سخت دشمنی رکھتا ہے اور ایک طاغوت کافر ہے، کلمے کا انکاری ہے، ہر مسلمان سے سخت دشمنی نہیں رکھتا بلکہ نرم رویہ رکھتا ہے۔ اب جو مسلمانوں کا دشمن طاغوت اور کافر ہے اس کے ساتھ سلوک اور برتاؤ الگ ہوگا اور جو غیر دشمن کافر ہے اس کے ساتھ برتاؤ الگ ہوگا۔

جس طرح یہ طاغوت الگ الگ ہیں اس طرح ان سے برتاؤ بھی الگ الگ ہے۔ جس طاغوت کے ساتھ جو برتاؤ بھی اللہ کے نبی ﷺ نے کیا وہی ﴿مَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ﴾ کی عملی تفسیر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا يَنۡهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيۡنَ لَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَلَمۡ يُخۡرِجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡهُمۡ وَتُقۡسِطُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ ۞ اِنَّمَا يَنۡهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيۡنَ قٰتَلُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَاَخۡرَجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ وَظٰهَرُوۡا عَلٰٓى اِخۡرَاجِكُمۡ اَنۡ تَوَلَّوۡهُمۡ وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۞﴾ ①

”اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے، اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے، ان سے جو لوگ دوستی کریں وہی ظالم ہیں۔“

طاغوت کی مذکورہ تعریف کے پیش نظر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے طاغوت ہونے میں کوئی تردد کی گنجائش ہے؟

نافرمانی وسرکشی میں حد سے گزرا ہوا، گمراہی کا سرغنہ، فتنہ پرور، اللہ کی راہ سے رکا ہوا اور لوگوں کو روکنے والا، نبی ﷺ اور آپ کے

ساتھیوں کو کمینہ اور ذلیل کہنے والا، جس کی شرارتوں سے پریشان ہو کر نبی ﷺ نے فرمایا تھا:

''کون ہے جو مجھے اس کے حملوں سے بچائے کہ اس نے مجھے بہت ہی دکھ پہنچائے ہیں۔'' [2]

جس نے دین کو نقصان پہنچانے، کفر کرنے، اہل ایمان میں پھوٹ ڈالنے کے لیے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے والوں کے لیے کمین گاہ (پناہ گاہ) مہیا کرنے کے لیے ایک مسجد ضرار بنائی۔ سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ لَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ [1]

''اور بعض ایسے ہیں جنہوں نے ان اغراض کے لیے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کی باتیں کریں اور ایمانداروں میں تفریق ڈالیں اور اس شخص کے قیام کا سامان کریں جو اس سے پہلے سے اللہ اور رسول کا مخالف ہے اور قسمیں کھا جائیں گے کہ بجز بھلائی کے اور ہماری کچھ نیت نہیں اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔''

نبی ﷺ نے بنی نضیر کے یہود کو دس دن کے اندر مدینہ سے نکل جانے کا نوٹس دیا جس کے مقابلہ میں عبداللہ بن ابی نے ان کو مدینہ سے نہ جانے کا پیغام دیا اور کہا کہ تم نبی ﷺ کو انکار کر دو میں دو ہزار آدمیوں سے تمہاری مدد کروں گا۔ قرآن مجید کی سورۂ حشر میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّ اِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ وَ لَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ ﴾ [2]

''کیا تو نے منافقوں کو نہ دیکھا؟ کہ اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں اگر تم جلاوطن کیے گئے تو ضرور بالضرور ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور تمہارے بارے میں ہم کبھی بھی کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی جائے گی تو بخدا ہم تمہاری مدد کریں گے، لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ قطعاً جھوٹے ہیں۔ اگر وہ جلاوطن کیے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ جائیں گے اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد (بھی) نہ کریں گے اور اگر (بالفرض) مدد پر آ بھی گئے تو پیٹھ موڑ کر (بھاگ کھڑے) ہوں گے پھر مدد نہ کیے جائیں گے۔''

جس کا دین سے خود رکنا اللہ نے سورۂ نساء میں بیان کیا اور لوگوں کو اللہ کے دین سے ہٹانے کا ذکر سورۂ مجادلہ اور سورۂ المنافقون میں اللہ نے خود کیا:

﴿ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴾ [1]

''ان سے جب کبھی کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کلام کی اور رسول (ﷺ) کی طرف آؤ تو آپ دیکھ لیں گے کہ یہ منافق

آپ سے منہ پھیر کرر کے جاتے ہیں۔‘‘

﴿ اِتَّخَذُوْآ اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾[2]

’’ان لوگوں نے تو اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔‘‘

﴿ اِتَّخَذُوْآ اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾[3]

’’انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے پس اللہ کی راہ سے رک گئے بیشک برا ہے وہ کام جو یہ کرر ہے ہیں۔‘‘

طاغوت کی تعریف سے واقف اور حق کا متلاشی عبداللہ بن ابی کے طاغوت ہونے سے انکار نہیں کر سکتا مگر باوجود اس سب کے نبیﷺ نے اس کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی حتیٰ کہ بعض صحابہ نے اجازت بھی طلب کی مگر آپﷺ نے اجازت نہ دی۔ بلکہ تقریباً ہر موقع اور ہر معرکہ میں ان کو ساتھ لیا حتیٰ کہ غزوۂ احد کے موقع پر عین اس وقت جب کہ وہ تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس پلٹا تھا کتنا نازک مرحلہ تھا اور تحریک اسلامی کو نقصان پہنچانے کی کس قدر گہری سازش تھی اور بڑا ہی موزوں وقت تھا اور معقول عذر تھا ان سے قتال کرنے کا۔لیکن اس مرحلہ پر بھی ان سے یہی کہا جا رہا ہے:

﴿ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ﴾[1]

’’آؤ! اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا کم از کم دفاع (حفاظت) ہی کرو۔‘‘

جبکہ ایسی ہی اسلام کے خلاف سازشیں کرنے پر ایک طاغوت کعب بن اشرف یہودی کو نبیﷺ نے آپ قتل کروایا۔ وجہ یہ کہ وہ کلمے کا منکر طاغوت تھا اور عبداللہ بن ابی کو قتل کرنے کی اجازت نہ دی کیونکہ یہ کلمہ گو تھا گویا کہ اسے کلمے نے تحفظ دیا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیﷺ نے فرمایا:

« أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَإِذَا قَالُوْهَا مَنَعُوْا مِنِّيْ دِمَائَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا، وَ حِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ »[2]

’’مجھے حکم ہے لوگوں سے قتال کا حتیٰ کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں، سو جب وہ یہ کلمہ کہہ (پڑھ) لیں تو انہوں نے مجھ سے اپنے خون اور اموال محفوظ کر لیے اور ان کا (اندرونی) حساب اللہ پر ہے۔ (یعنی ان کے اندر کے کفر یا منافقت کا)۔‘‘

ایک وقت تھا کہ فارس اور روم دونوں ہی طاغوت تھے اور آپس میں لڑ رہے تھے مگر نبیﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی ہمدردیاں رومی طاغوت کے ساتھ تھیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ الٓمّٓ ○ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ○ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ○ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ

مِنۡ قَبۡلُ وَ مِنۡۢ بَعۡدُ ؕ وَ یَوۡمَئِذٍ یَّفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۴﴾ بِنَصۡرِ اللّٰہِ ؕ یَنۡصُرُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ۙ﴿۵﴾ [1]

''الم۔ رومی مغلوب ہوگئے ہیں۔ نزدیک کی زمین پر اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے چند سال میں ہی، اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی اختیار اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ اس روز مسلمان شادمان ہوں گے اللہ کی مدد سے۔ وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے۔ اصل غالب اور مہربان وہی ہے۔''

سوال ۲: کیا مشرک سے جہاد میں تعاون لیا جاسکتا ہے؟

جواب: نبی اکرم ﷺ مکہ والوں سے مایوس ہو کر طائف والوں کی طرف گئے تاکہ کچھ حمایت حاصل ہوجائے یا مدد حاصل ہوجائے حالانکہ طائف والے بھی مشرک تھے۔

طائف کے سرداروں، کافروں کو آپ نے دعوت دی ﷺ انکار پر آپ ﷺ نے ان طاغوت سے فرمایا کہ تم پھر چپ ہی رہو تاکہ میں اپنا کام کرسکوں مگر وہ نہ مانے۔ آپ وہاں سے پتھر کھاتے واپس پلٹے اور عتبہ، شیبہ، ربیعہ کے بیٹوں کافروں کے باغ میں پناہ لی اور ان کافروں نے کچھ اشیائے خوردونوش سے آپ ﷺ کا تعاون کیا۔ آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر کھایا۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں مشرکوں سے تعاون نہیں لیتا بلکہ مکہ میں واپسی کے لیے مشرکوں سے خود آپ ﷺ نے تعاون لیا۔ کوہ حرا کے قریب ٹھہر کر نبی ﷺ نے پہلے اخنس بن شریق کو پیغام دیا کہ وہ آپ کو پناہ دے دے مگر اخنس نے معذرت کردی پھر آپ ﷺ نے سہیل بن عمرو ایک دوسرے مشرک کو یہی پیغام دیا لیکن وہ بھی معذرت کر گیا۔ آخر پھر نبی ﷺ نے مطعم بن عدی کو بلایا اور اس کی پناہ چاہی، اس نے ہاں کرلی اور پھر اس کو خوب نبھایا بلکہ مطعم نے اعلان کیا کہ قریش کے لوگو! میں نے محمد ﷺ کو پناہ دی اور ابوجہل نے پوچھا کہ مطعم کیا مسلمان ہوگئے ہو یا صرف پناہ دی ہے؟ مطعم نے کہا! میں مسلمان نہیں ہوا صرف پناہ دی ہے۔ ابوجہل بولا جس کو تو نے پناہ دی اس کو ہم نے بھی پناہ دی۔ اس کا فائدہ نہ صرف یہ ہوا کہ آپ ﷺ مکہ میں بحفاظت پہنچے اور رہے بلکہ آئندہ اس مطعم مشرک کے تعاون سے خوب آپ ﷺ نے کھل کر دعوت کا کام کیا۔'' [1]

اور غزوہ بدر کے قیدیوں کے بارے آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

''اگر آج مطعم زندہ ہوتا اور ان ناپاک قیدیوں کے بارے میں بات کرتا تو اس کے کہنے پر میں سب کو چھوڑ دیتا۔'' [2]

رہا معاملہ اس حدیث کا جس میں نبی ﷺ نے ایک مشرک کو واپس کیا اور فرمایا واپس جا میں مشرک سے تعاون نہیں لیتا سو اس حدیث پر صحیح مسلم میں یہ باب یعنی عنوان قائم کیا ہے کہ:

«بَابُ كَرَاهِةِ الْإِسْتِعَانَةِ فِي الْغَزْوِ بِكَافِرٍ اِلَّا لِحَاجَةٍ أَوْ كَوْنِهٖ حُسْنُ الرَّأْيِ فِي الْمُسْلِمِيْنَ»

''جنگ (جہاد) میں کسی کافر سے تعاون لینا درست نہیں مگر دو حالتوں میں سے کسی ایک میں:

۱۔ حالات کی سختی اور ضرورت اس تعاون کی متقاضی ہو۔

۲۔ وہ کافر مسلمانوں کے بارے میں اچھی رائے اور نرم رویہ رکھتا ہو۔"

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

« وَقَدْ جَاءَ فِي الْحَدِيثِ الْآخَرِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اِسْتَعَانَ بِصَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ قَبْلَ إِسْلَامِهِ »

"دوسری حدیث میں آ چکا ہے کہ نبی ﷺ نے صفوان بن امیہ سے جبکہ وہ کافر تھا ایک جنگ میں مدد لی۔"

مزید لکھتے ہیں:

« وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَ آخَرُونَ إِنْ كَانَ الْكَافِرُ حُسْنُ الرَّأْيِ فِي الْمُسْلِمِينَ وَدَعَتِ الْحَاجَةُ إِلَى الْإِسْتِعَانَةِ بِهِ أُسْتُعِينَ بِهِ وَ إِلَّا فَيُكْرَهُ »

"امام شافعی اور دیگر محدثین نے فرمایا اگر کافر مسلمانوں کے بارے میں اچھی رائے اور نرم رویہ رکھتا ہے اور ضرورت اس سے تعاون کا تقاضا کرتی ہے تو اس سے تعاون لیا جائے گا ورنہ نہیں۔"

اس لیے فرماتے ہیں کہ:

« وَ حَمَلَ الْحَدِيثَيْنِ عَلٰى هٰذَيْنِ الْحَالَيْنِ »

"دونوں حدیثوں کو ان دونوں حالتوں پر محمول کیا جائے گا۔" [1]

نبی کریم ﷺ کا کفار نے بائیکاٹ کر دیا، آپ شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے۔ اس وقت بنو ہاشم اور بنو مطلب نے نبی اکرم ﷺ کا ساتھ دیا۔ کفار بھی نبی ﷺ کی حمایت میں اس شعب میں محصور ہو گئے۔ کیا نبی ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ بھائی تمہاری مدد کی مجھے ضرورت نہیں؟ نکلو یہاں سے: « لَنْ أَسْتَعِينَ بِمُشْرِكٍ » "میں کسی مشرک سے مدد نہیں لوں گا۔" ایسا قطعاً نہیں فرمایا۔

نبی اکرم ﷺ مکہ سے ہجرت کرتے ہیں تو مکہ سے مدینہ کا راستہ بتانے کے لیے نبی اکرم ﷺ نے ایک آدمی اجرت پر رکھ لیا۔ صحیح بخاری میں آتا ہے، مشرک تھا، « هَادِيًا خِرِّيتًا » بڑا ماہر تھا۔ اگر راستے میں جنگ ہو جاتی تو کیا خیال ہے جب وہ مشرک نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مل کر دشمنوں سے لڑتا تو نبی اکرم ﷺ اس کو کہتے کہ نہیں چل تو نکل جا یہاں سے، تیری مدد کی ضرورت نہیں، کیونکہ تو مشرک ہے؟ معلوم ہوا کہ کلمہ گو مشرک اور کلمے کا منکر مشرک ان کے درمیان تو فرق ہے ہی، قرآن نے تو کلمے کے منکر مشرکوں اور کافروں کے درمیان بھی فرق کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَ لَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۔ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظَاهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ

﴿٨﴾①

’’اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنھوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنھوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے۔ ان سے جو دوستی کریں وہی ظالم ہیں۔‘‘

بلکہ حالات وضرورت کے پیش نظر سخت قسم کے کافر اور مشرک اور طاغوت سے بھی کام لیا جاسکتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنے دین کا کام کسی کافر وفاجر سے بھی لے سکتا ہے۔②

غزوۂ احد کے زخمیوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قزمان بھی ملا اس نے جنگ میں خوب خوب داد شجاعت دی تھی اور تنہا سات یا آٹھ مشرکوں کو تہ تیغ کیا تھا۔ وہ جب ملا تو زخموں سے چور تھا لوگ اسے اٹھا کر بنوظفر کے محلے میں لے گئے اور مسلمانوں نے خوشخبری سنائی۔ کہنے! واللہ میری جنگ تو محض اپنی قوم کے ناموس کے لیے تھی اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں لڑائی ہی نہ کرتا۔ اس کے بعد جب اس کے زخموں نے شدت اختیار کی تو اس نے اپنے آپ کو ذبح کر کے خودکشی کر لی۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا جب بھی ذکر کیا جاتا تھا تو فرماتے تھے کہ وہ دوزخی ہے۔①

غزوۂ احد کے مقتولین میں ایک بنوثعلبہ کا یہودی تھا، اس نے اس وقت جبکہ جنگ کے بادل منڈلا رہے تھے اپنی قوم سے کہا: ’’اے جماعت یہود! اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد تم پر فرض ہے۔ یہود نے کہا مگر آج تو سبت (ہفتہ) کا دن ہے۔ اس نے کہا تمہارے لیے کوئی سبت نہیں۔ پھر اس نے اپنی تلوار لی، ساز وسامان اٹھایا اور بولا اگر میں مارا جاؤں تو میرا مال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے، وہ اس میں جو چاہیں گے کریں گے۔ اس کے بعد میدان جنگ میں گیا اور لڑتے بھڑتے مارا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’مخیریق بہترین یہودی تھا۔‘‘ ②

ابوطالب، ابوالبختری بن ہشام، مطعم بن عدی، ابوالولید عتبہ بن ربیعہ، ابن دغنہ، عاص بن وائل، زہیر بن امیہ، ہشام بن عمرو، زمعہ بن اسود وغیرہ یہ سب کافر مشرک طاغوت ہی تھے۔ اللہ نے ان سے بڑے اہم مواقع پر کام لیا۔ (تفصیل کے لیے کتب سیرۃ مثلاً ابن ہشام، زادالمعاد، رحمۃ للعالمین، الرحیق المختوم وغیرہ کا مطالعہ کیجیے)

ہاں جب حالت سازگار ہوں، سلطہ اور قوت موجود ہو اور ضرورت کسی کافر ومشرک اور بے دین سے تعاون کا تقاضا بھی نہ کرتی ہو تو مشرکوں کی کسی پیش کش کو رد بھی کیا جاسکتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے دونوں پہلو ہمارے سامنے ہیں۔ ایک طرف مدینہ میں یہود جیسے طاغوت کے ساتھ امن اور آشتی کے ساتھ رہنے اور دفاعی معاہدے ہو رہے ہیں تو دوسری طرف عرب کے ایک بڑے طاغوت کے ساتھ معاہدہ حدیبیہ طے پارہا ہے۔ اگر کہا جائے کہ مدینہ میں معاہدات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تسلیم کیا گیا تھا تو گزارش ہے کہ یہی تو اس مؤقف کی تائید ہے کہ جب سلطہ، قوت اور حکمرانی کے

باوجود طاغوت سے تعاون کا معاہدہ ہوسکتا ہے تو حالات کی ناسازگاری، ضرورت کے تقاضا اور قوت کے نہ ہونے کے مواقع پر تو بالاولیٰ ہوسکتا ہے۔

یہود سے معاہدے کر کے ان کی طرف سے بے خطر اور مطمئن ہو کر عرب کے دوسرے طاغوت کا پیچھا کیا اور ان کی قوت کو کمزور کیا اور معاہدہ حدیبیہ سے اس طاغوت کی طرف سے مطمئن ہو کر دوسرے کافروں اور مشرکوں کا قلع قمع کیا۔ خیبر فتح کر کے یہود کی بچی کھچی قوت کا بھی خاتمہ ہوا۔ پھر پورے عرب حتیٰ کہ فارس اور روم کے طاغوتوں کی طرف بھی دین کے داعی، سفیر اور دعوتی خطوط روانہ کیے گئے۔ ان فوائد، میں ان معاہدوں میں موجود حکمتوں کا ہی بڑا عمل دخل تھا۔

رہی بات جہاد کشمیر میں حکومت کے ساتھ مجاہدین کے معاملات کی تو اب تک تو ایسا کوئی معاہدہ سامنے نہیں آیا اور امید ہے کوئی ہے بھی نہیں، جس میں مجاہدین حکومت کے موجودہ نظام کار میں فریق بنے ہوں۔ البتہ فوج کے ساتھ جہاد کے حوالے سے راستے کا تعاون یا اسی طرح کا جہادی ضرورت کا ساز وسامان کا معاملہ تو یہ مجاہدین کا حق ہی نہیں بلکہ فوج پر بھی فرض ہے کیونکہ وہ بھی کلمہ گو ہیں اور ہندو کے خلاف جہاد کے حامی ہیں۔

اللہ نے تو کافروں اور مشرکوں کے بارے حکم دیا ہے:

﴿ وَ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَ لَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾[1]

”اور ایک دوسرے سے نیکی اور تقویٰ کی بنیاد پر تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں پر ہرگز تعاون نہ کرو۔“

سورۂ مائدہ کی یہ آیت نازل ہی اس وقت ہوئی جب اہل اسلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مکہ میں عمرہ اور حج کو آنے والے کافروں اور مشرکوں کے راستے روکنے کا پروگرام بنایا۔ اس سے اللہ نے منع کرتے ہوئے فرمایا ایک دوسرے سے بھلے کاموں میں تعاون کرو اور برے کاموں سے کنارہ کش رہو۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ابن دغنہ کافر سے تعاون لیا اور اس کی پناہ میں رہے۔ سو جب ایک اچھے کام میں کلمے کے منکر کافر سے تعاون کرنے اور کروانے کا حکم ہے تو کلمے کے اقراری سے کونسا حکم مانع ہے؟

اس معاملہ میں اب دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیصلہ کن پیشگوئی:

حضرت ذی مخبر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

”مسلمانو! وہ وقت آنے والا ہے جب تم رومی صلیبی عیسائیوں سے امن والی صلح کا معاہدہ کرو گے پھر تم اور رومی مل کر اپنے ایک دشمن سے لڑو گے چنانچہ اللہ کی طرف سے اس دشمن کے خلاف تمہاری مدد ہوگی اور تم صحیح سلامت غنیمت کا مال لے کر واپس پلٹو گے اور ایک سرسبز شاداب ٹیلوں والی جگہ پر تمہارا پڑاؤ ہوگا کہ وہاں ایک صلیبی اپنی صلیب کو اونچا کر کے اعلان کرے گا کہ صلیب کو غلبہ ہوا ہے۔ اس پر اہل اسلام کا ایک آدمی (مجاہد) غضبناک ہو کر اس صلیب کو توڑ ڈالے گا۔ تب وہ رومی معاہدہ توڑ کر مسلمانوں سے لڑنے کو اکٹھے ہو جائیں گے اور مسلمان بھی اپنا اسلحہ تھام کر خوب ان عیسائیوں صلیبیوں سے لڑیں گے تو اللہ مسلمانوں کی اس جماعت کو شہادت کی عظیم نعمت سے نوازے گا۔“[1]

میرے موقف کی تائید میں اس سے بڑی اور واضح دلیل کیا ہوگی؟ اللہ دل کی آنکھیں نصیب فرمائے۔(آمین)

سوال۳: صحیح مسلم کتاب الامارۃ میں حدیث ہے کہ نبیﷺ نے فرمایا ''اندھے جھنڈے تلے جہاد ہوگا'' اس کا کیا مفہوم ہے؟

جواب: حدیث کچھ اس طرح ہے:

«مَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عُمِّيَّةٍ يَغْضَبُ لِعَصَبَةٍ ، أَوْ يَدْعُو إِلَى عَصَبَةٍ، أَوْ يَنْصُرُ عَصَبَةً، فَقُتِلَ ، فَقِتْلَةٌ جَاهِلِيَّةٌ»[1]

''جو کوئی لڑا اندھے نشان کے تحت کہ وہ غضبناک ہوا عصبیت کے لیے یا بلایا اس نے عصبیت کے لیے یا مدد کرتا ہے عصبیت پر اور وہ مارا گیا تو یہ مرنا اس کا جاہلیت کا ہوگا۔''

اس حدیث کا مفہوم تو خود حدیث میں ہی واضح ہے کہ ایک شخص وجوہات قتال فی سبیل اللہ میں سے کسی ایک پر بھی نہیں بلکہ محض عصبیت پر لڑتا ہے اس کا یہ لڑنا مرنا جاہلیت کا ہوگا۔

امام نوویؒ اندھے جھنڈے کا مفہوم لکھتے ہیں: (وَ هُوَ الْأَمْرُ الْأَعْمٰى لَا يَسْتَبِيْنُ وَجْهُهٗ) ''ایسا مبہم معاملہ جس کا کوئی مقصد واضح ہی نہ ہو اور لکھتے ہیں۔(كَذَا قَالَهُ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَالْجُمْهُوْرُ) ''یہی مفہوم اس کا احمد بن حنبل اور جمہور محدثین نے بیان کیا ہے۔'' (قَالَ إِسْحٰقُ بْنُ رَاهَوَيْهِ هٰذَا كَتُقَاتِلُ الْقَوْمَ لِلْعَصَبِيَّةِ) ''اسحاق بن راھویہ نے کہا جیسا کہ تیرا کسی قوم سے عصبیت کی بنا پر لڑنا۔'' (وَ مَعْنَاهُ إِنَّمَا يُقَاتِلُ عَصَبِيَّةً لِقَوْمِهٖ وَ هَوَاهُ) ''اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کی عصبیت اور اپنی نفسانی غرض پر لڑتا ہے۔''[2]

کیا لشکر طیبہ کے مجاہدین کسی عصبیت اور نفسانی غرض سے لڑ رہے ہیں؟ کیا ہندو ایسے کافر و ظالم اور غاصب پر یلغار کرنا اور اسے اپنی سرزمین سے بھگانا کوئی واضح مقصد نہیں؟ دن کے وقت اگر کوئی آنکھیں بند کر کے کہے کہ سورج ہی نہیں تو اس میں سورج کا تو کوئی قصور نہیں۔

سوال۴: جہاد افغانستان سے کیا ملا؟ ممکن ہے جہاد کشمیر کی بھی یہی صورتحال ہو؟

جواب: جہاد افغانستان کو مشکوک کرنے اور جہاد کے ثمرات و فوائد پر پردہ ڈالنے کے لیے تو یہ سازش کی گئی کہ افغانیوں کو جہاد سے ہٹا کر حکومت بنانے میں لگا دیا گیا اور یوں یہ صورت حال پیش آ گئی۔ مانا کہ یہ صورت حال نہایت ہی تکلیف دہ ہے لیکن کیا اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ بات یہ نہیں ہے کہ روسی کافر وہاں رہتا، عصمتیں پامال کرتا، کمیونزم زندہ باد کے نعرے لگا کر اعلان کرتا رہتا کہ ہم نے مسلمان کے اللہ کو افغانستان میں دفن کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جہاں کافر کی یہ ایک سازش تھی اور اس میں مسلمان استعمال ہوا وہاں اس سے کہیں بڑی سازش یہ ہے کہ مسلمان ہی کو استعمال کر کے اس کے منہ میں یہ زباں دے دی گئی کہ چونکہ یہ صورت حال ہوئی ہے لہٰذا افغانستان کا جہاد، جہاد ہی نہیں تھا اور اس کا نقصان ہی ہوا کوئی فائدہ نہیں ہوا چونکہ اسی صورتحال کا امکان کشمیر میں بھی ہے لہٰذا کشمیر کا جہاد

بھی کوئی جہاد نہیں۔ افسوس کہ اس سازش میں بعض مخلص ساتھی بھی اپنے بہت ہی زیادہ اخلاص مگر کم فہمی اور منہج جہاد کی بصیرت کے فقدان سے غیر شعوری طور پر ''مدعی سست اور گواہ چست'' کے مصداق بنے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَسَى اللّٰهُ أَن يَّكُفَّ بَأْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ اللّٰهُ اَشَدُّ بَأْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴾[1]

''تو اللہ کی راہ میں جنگ کرتا رہ، تجھے صرف تیری ذات کی نسبت حکم دیا جاتا ہے، ہاں ایمان والوں کو رغبت دلاتا رہ، بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی جنگ کو روک دے اور اللہ تعالیٰ سخت لڑائی والا ہے اور سزا دینے میں بھی سخت ہے۔''

افغانستان کے جہاد سے اللہ نے روسی کمیونسٹ کافر کو برباد کیا، روس ٹکڑے ہوا، کمیونزم کی بربادی ہوئی۔ نہ صرف افغانستان آزاد ہوا بلکہ تقریباً پون صدی سے جن علاقوں اور ریاستوں کو غصب کیا ہوا تھا، وہ بھی آزاد ہوئیں۔ ویران مسجدیں آباد ہوئیں، بند اذانیں گونجنے لگیں، لٹتی عزتیں محفوظ ہوئیں، حج کے لیے بند راستے کھل گئے اور لگی ہوئی پابندیاں اٹھ گئیں۔ صدائے تلاوت قرآن بلند ہونے لگی اور ہر طرف اسلام، اسلام کا نام لیا جانے لگا۔ جہاد سے ہونے والے ان فوائد سے آنکھیں کیسے بند کر لی جائیں۔ اللہ نہ کرے اگر کشمیر میں بھی ایسی کوئی سازش کامیاب ہو جائے مگر ہندو ذلیل ہو کر مارا جائے اور بھگایا جائے، ہندومت برباد ہو جائے اور انڈیا کے ٹکڑے ہو جائیں، یوں ہر طرف اسلام، اسلام ہو جائے اور کفر جو اس وقت بھی لرزاں ہے بالکل ہی لرز جائے۔ بتایئے! ہمارے لیے کشمیر کی موجودہ صورت حال زیادہ خطرناک اور تکلیف دہ ہے یا کہ آئندہ جہاد کے نتیجے میں ہونے والی امکانی صورتحال؟ اگر افغانستان والی صورت حال کشمیر میں بھی ہونے کا ذہنوں میں خیال ہو تب بھی ہر مسلمان کو اس جہاد کشمیر میں حسب استطاعت شامل ہونا چاہیے تاکہ مذکورہ فوائد جلد حاصل ہوں اور جہاد اپنا اگلا شکار کرنے کو راستہ بنائے۔ اگر شمولیت ممکن نہ ہو تو ہر مسلمان کو ان سازشی جملوں سے اپنی زبان کو بچانا چاہیے کہ جی کشمیر کا جہاد کوئی جہاد نہیں، افغانستان کے جہاد سے کیا ملا؟ کشمیر کے جہاد سے کیا ملنا ہے؟ کشمیر سے پہلے پاکستان میں جہاد کرنا چاہیے۔ گزشتہ دنوں ایک نمازی ساتھی نے بتایا کہ میں نے ریڈیو آن کیا تو اتفاقاً انڈیا ریڈیو کی گفتگو کانوں میں پڑی جو لشکر طیبہ کا نام لے کر کہہ رہا تھا کہ لشکر طیبہ والے جہاد کے نام سے کشمیر میں دہشت گردی کر رہے ہیں۔ اگر یہ جہاد ہو تو پہلے یہ جہاد ان کو پاکستان میں کرنا چاہیے کہ پاکستان میں کونسا اسلام نافذ
ہے، پاکستان میں قتل وغارت ہوتی ہے، عزتیں لٹتی ہیں وغیرہ وغیرہ، لہٰذا ان کو پہلے پاکستان میں جہاد کرنا چاہیے۔

سوال ۵: کیا طاغوت کے انڈر (ماتحت) رہ کر جہاد کیا جا سکتا ہے؟

جواب: گزارش یہ ہے کہ یہ سوال دوسرے ارکان اسلام کے متعلق کیوں نہیں کیا جاتا بلکہ پہلے تو اس پر غور ہونا چاہیے کہ طاغوت کے ملک میں طاغوتی حکومت، طاغوتی نظام اور طاغوتی عدالت کے انڈر رہنا اور طاغوتی ٹیکس ان کو ادا کرنا کیسا ہے؟ چلو اس کے لیے تو کوئی مجبوری کا بہانہ ہو سکتا ہے لیکن نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج یہ تو اسلام کے ارکان ہیں اور خصوصاً حج کا معاملہ تو ''الف'' سے لے کر ''ی'' تک یعنی حج درخواستیں جمع ہونے سے لے کر حج کی ادائیگی کے بعد واپس آنے تک، سارا معاملہ ہی طاغوتی حکومتی ایجنسیوں کے انڈر ہے۔ مما لک

اسلامیہ کے حکمران تو پھر کلمہ گو ہیں پوری دنیا کے کافروں کے ملکوں کی کافر حکومتوں سے ہر سال مسلمان حج کی درخواستیں منظور کرا کے ان طاغوتوں کے انڈر رہ کر حج کرتے ہیں۔ کیا کوئی مسلمان یا کوئی مفتی فتویٰ دے گا کہ انڈیا کے مسلمان جو ہر سال حج کرتے ہیں ان کا کوئی حج نہیں اور کیا ہوا حج اور اس پر لگائی ہوئی تمام رقم ضائع ہے کیونکہ یہ طاغوت کے انڈر رہ کر ہوتا ہے۔

آخر یہ اشکال صرف جہاد بلکہ صرف جہاد کشمیر ہی پر کیوں کیا جاتا ہے؟ جبکہ جہاد تو اب عراق، چیچنیا، افغانستان میں بھی ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے وہاں بھی بہت سارے مجاہدین دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے ہیں اور وہ بھی اپنی حکومتوں کے انڈر ہیں، ان ملکوں کی ایجنسیوں کی ماتحتی کے بغیر تو نہیں آ گئے۔

جیسا کہ آج انڈیا میں رہنے والے مسلمان کافر ہندو طاغوت کے ماتحت ہیں اگر وہاں کی حکومت کسی بھی سے مسلمانوں کو اجازت دے کہ جاؤ عراق میں جا کر اپنے مسلمان مجاہد بھائیوں سے مل کر جہاد کرو کیونکہ وہاں امریکی قابض ہو گئے ہیں اور وہ ظلم کر رہے ہیں، تم بھی اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کرو اور کچھ مسلمان نوجوان نکلیں اور جہاد کریں تو ان سے یہ کہا جائے گا کہ چونکہ تم کافر ہندو کے ماتحت ہو اس لیے تمہارا کوئی جہاد نہیں۔ کیسی فضول سی بات ہے؟ نہیں بلکہ جیسے نماز، روزہ اور حج جیسے ارکان اسلام ان کی ماتحتی میں ہو سکتے ہیں تو جہاد کے ہونے میں بھی کوئی چیز مانع نہیں۔

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ»[1]

”بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کو کسی فاسق و فاجر آدمی کے ذریعے قوت ضرور دے دیتا ہے۔“

اس حدیث میں دین سے مراد جہاد ہے کیونکہ یہ ارشاد رسول اللہ ﷺ نے عین جہاد کے موقع پر میدان جہاد میں ہی ارشاد فرمایا ہے۔ اسی لیے محدثین اس حدیث کو کتاب الجہاد میں لائے ہیں بلکہ رئیس المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ نے تو صحیح بخاری میں اس حدیث پر باب یعنی عنوان ہی یہ قائم کیا ہے۔ (اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ)[1]

جس کا معنی یہ ہوا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ اس جہاد کو فاجر آدمی کے ذریعے قوت اور مضبوطی دے دیتا ہے۔

اب فاجر قرآن مجید میں کافر کو بھی کہا گیا ہے اور منافق کو بھی اور اس حدیث میں تو خاص منافق کے حوالے سے ہی فاجر کا لفظ آیا ہے اور فاجر حکمران بھی ہوتے ہیں۔ اب اگر اللہ کسی کافر حکمران کے ذریعے جہاد کو مضبوط کرے اور اس بادشاہ اور حکمران کے ملک کے رہنے والے مسلمان اس کے ماتحت ہی ہوں گے سو ان ماتحت مسلمانوں کا کیا ہوا جہاد، جہاد ہی ہوگا۔ (ان شاء اللہ)۔

ہجرت جہاد ہی کا مقدمہ ہے اور ارکان دین میں سے ہے، رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ جانے کا حکم دیا جو کہ عیسائیوں کا ملک تھا اور وہاں کا بادشاہ عیسائی تھا، مگر عادل بادشاہ تھا وہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا تھا۔ جو مسلمان ہجرت کر کے وہاں گئے وہ اس بادشاہ پر حکمران بن کر رہے یا اس کے ماتحت۔ ظاہر ہے ماتحت ہو کر ہی رہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جو خود بھی مہاجرین میں شامل تھیں فرماتی ہیں:

’’ہم نجاشی کے پاس ایک اچھے پڑوسی کے ’’زیر سایہ‘‘ مقیم رہے۔‘‘[2]

اور اس نجاشی عیسائی بادشاہ نے بھی ان سے کہہ دیا کہ تم میرے ملک میں امن و امان سے رہو۔ سو یہ مہاجرین اسی کے ’’زیر سایہ‘‘ یعنی انڈر اور ماتحت رہے۔ ان مہاجرین میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھے جن کے بارے میں نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ:

’’حضرت ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کے بعد یہ پہلا گھرانہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔‘‘[3]

کیا خیال ہے کہ ان مہاجرین کا ہجرت کرنا اور وہاں رہنا فی سبیل اللہ ہوا کہ ناں؟

سیرت کی کتابوں میں مکہ میں ’’حلف الفضول‘‘ کے نام سے ہونے والے عہد و پیمان کا ذکر تفصیل سے ملتا ہے۔ یہ اصل میں ظلم کے خاتمہ کے لیے اٹھنے والی ایک تحریک تھی جس کے محرک بھی مشرک کافر ہی تھے اور اس کا سربراہ عبداللہ بن جدعان تیمی ایک مشرک و کافر ہی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس تحریک میں شریک تھے۔ شرف رسالت سے مشرف ہونے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ:

’’میں عبداللہ بن جدعان کی سربراہی میں اس مکان پر ہونے والے ایسے معاہدے میں شریک تھا کہ مجھے اس کے عوض سرخ اونٹ بھی پسند نہیں اور اگر دور اسلام میں مجھے اس کے لیے بلایا جاتا تو میں لبیک کہتا۔‘‘[1]

بھائیو! تو یہ سمجھ آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی امت کے لیے واضح حکم کی حیثیت رکھتا ہے کہ ظلم کے خلاف اٹھنے والی تحریک کے محرک و سربراہ اگرچہ کافر ہی ہوں مسلمانوں کو اس میں اپنا کردار ضرور ادا کرنا چاہیے اور خاص کر جب ظلم مسلمانوں پر ہو رہا ہو۔ مثال کے طور پر آج امریکہ کے کافروں نے مسلمانوں پر جو ظلم کا بازار گرم کر رکھا ہے کل کلاں اللہ ایسے حالات بنا دیتا ہے کہ کسی کافر ملک کا سربراہ اس کے خلاف اپنے ساتھ کچھ اور کافر ملکوں کو بھی ملا لیتا ہے اور وہ امریکہ سے جنگ چھیڑ دیتے ہیں تو کیا مسلمان یہ سمجھ کر کہ یہ جنگ کافروں نے چھیڑی ہے اس سے پیچھے رہیں گے، نہیں بلکہ موقع غنیمت جانتے ہوئے اس میں کود جانا چاہیے، یہ ان کا ان شاء اللہ جہاد ہوگا جس کا یہ اللہ کے ہاں اجر پائیں گے۔ اگرچہ ان کافروں کی یہ ایک عام جنگ ہی ہوگی جس کا انہیں قیامت میں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس حدیث سے یہی بات سمجھ آئی ہے جس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معرکہ میں میدان جہاد میں ایک منافق کے مرنے پر جب بعض صحابہ نے کہا کہ یہ جنتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھیج کر یہ اعلان کروایا کہ:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ))[1]

’’جنت میں صرف مسلمان ہی جائے گا البتہ اللہ اس دین (جہاد) کو کسی کافر و فاجر کے ذریعے قوت ضرور دے دیتا ہے۔‘‘

مکہ میں ظلم کے خاتمہ کے لیے اٹھنے والی تحریک ’’حلف الفضول‘‘ کے سربراہ عبداللہ بن جدعان کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ ’’آیا اس کو قیامت کے دن کوئی فائدہ ہوگا؟‘‘ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفی میں جواب دیا کیونکہ وہ مشرک کافر تھا تو قیامت کے دن فائدے سے بھی محروم رہا البتہ اللہ نے دنیا میں اس سے ظلم کے خاتمے کا کام لے لیا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوجہل کے مقابلہ میں مکے کے کئی ایک کافر سرداروں سے اس صحیفہ کو چاک کرانے کا کام لے لیا جس سے نبیﷺ اور آپ کے خاندان کو شعب ابی طالب میں محصور ہونا پڑا۔ تین سال کے عرصہ کے بعد اس معاہدہ میں شامل کافروں کو ہی اللہ تعالیٰ نے اس ظلم کے خلاف ابوجہل کے مقابلہ میں لاکر آپ پر ہونے والے ظلم کا خاتمہ کر دیا۔[2]

﴿هَذَا مَا عِندِیْ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ﴾

❀ ...... ❀ ...... ❀

کیا ہر نیکی جہاد فی سبیل اللہ ہے؟

(چند اہم شکوک و شبہات کا ازالہ)

جہاد و قتال ایک پر مشقت کام:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ﴾[1]

''تم پر قتال فرض کیا گیا حالانکہ وہ تمہارے لیے (طبعی طور پر) ناپسندیدہ ہے۔''

اس کے باوجود اللہ کی سچی محبت والے محبوب بندے ہمیشہ سے یہ فریضہ سرانجام دے رہے ہیں لیکن دوسری طرف کچھ ایسے بھی

حضرات ہیں کہ جو نہ تو جہاد کرتے ہیں اور نہ کسی کو کرتا ہوا دیکھ سکتے ہیں بلکہ خواہ مخواہ کی منافست اور مسابقت بلکہ حقد وحسد تک کی معاصرت محسوس کرتے ہوئے ساری تگ ودو یہ ثابت کرنے پر لگا دیتے ہیں کہ مجاہد کا جہاد اصل میں جہاد ہی نہیں ہے کیونکہ یہ تو زمین کیلئے ہے، وطن کے لیے ہے، امام کے بغیر ہے وغیرہ وغیرہ۔ یا پھر وہ جہاد کے میدان میں جانے کی بجائے جو کام خود کر رہے ہوں، اسی کو جہاد ثابت کرنے لگ جاتے ہیں۔ گویا جہاد کو اپنے گھر بلا کر اپنا نام مجاہدین میں لکھوانے کی کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جہاد تو کوشش کا نام ہے، ہر وہ کام جو کوشش یا طلب کے زمرے میں آتا ہے، وہی جہاد ہے۔ تو آیئے! ذرا کتاب وسنت کی روشنی میں دیکھیں کہ جہاد ہوتا کیا ہے؟

جہاد کی تعریف:

عربی زبان کی مشہور کتاب لسان العرب کے مؤلف ابن منظور فرماتے ہیں:

« جَاهَدَ الْعَدُوَّ مُجَاهِدَةً وَجِهَاداً قَاتَلَهٗ وَفِی الْحَدِیْثِ ۔ لَاهِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰکِنْ جِهَادٌ وَنِیَّةٌ۔ اَلْجِهَادُ مُحَارَبَةُ الْاَعْدَآءِ وَهُوَ الْمُبَالَغَةُ وَاسْتِفْرَاغُ مَا فِی الْوُسْعِ وَالطَّاقَةِ مِنْ قَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ »①

”جاہد کا معنی قتال کرنا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد کرنا ہے اور نیت کرنی ہے اور جہاد دشمنوں سے جنگ کرنے کا نام ہے اور اس کام کے لیے مکمل کوشش کرنے کو کہتے ہیں خواہ قول سے ہو یا فعل سے۔“

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”جَاهَدتُّ الْعَدُوَّ مُجَاهِدَةً وَجِهَادًا وَهُوَ مُشْتَقٌّ مِّنَ الْجُهْدِ وَهُوَ التَّعَبُ وَالْمُشَقَّةُ لِمَا فِیْهِ مِنْ اِرْتِکَابِهَا......“②

”میں نے دشمن کے ساتھ جہاد کیا جہاد کرنا اور یہ جھد سے نکلا ہے۔ اس کا معنی مشقت کا ہے کیونکہ اس جہاد میں مشقت ہوتی ہے، جہاد جھد سے ہے جس کے معنی طاقت کے ہوتے ہیں کیونکہ جہاد میں ہر فریق دوسرے کو دفع کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے۔“

اصل لغت میں جہاد کے معنی سمجھ لینے کے بعد آیئے اصطلاحی طور پر دیکھتے ہیں جہاد کس کو کہتے ہیں؟ اس سلسلہ میں مسند احمد کی صحیح حدیث پیش خدمت ہے۔ سیدنا عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے سوال کیا:

« فَأَیُّ الْهِجْرَةِ أَفْضَلُ، قَالَ: الْجِهَادُ قَالَ: وَ مَا الْجِهَادُ ؟ قَالَ أَنْ تُقَاتِلَ الْکُفَّارَ إِذَا لَقِیْتَهُمْ؟ قَالَ: فَأَیُّ الْجِهَادِ أَفْضَلُ؟ قَالَ مَنْ عُقِرَ جَوَادُهٗ وَأُهْرِیْقَ دَمُهٗ ......الخ »①

”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کونسی ہجرت افضل ہے؟ فرمایا: ”جہاد والی۔“ پوچھا ”جہاد کیا ہے؟“ فرمایا: ”جہاد یہ ہے کہ جب کافروں سے ملاقات ہو تو ان کے ساتھ قتال (لڑائی) کرے“ پوچھا ”پھر کونسا جہاد افضل ہے؟“ فرمایا: ”جس جہاد میں مجاہد

کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دی جائیں اور سوار بھی شہید کر دیا جائے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((بَذَلُ الْجُهْدِ فِی قِتَالِ الْكُفَّار))②

''کافروں سے قتال کرنے میں پوری کوشش اور طاقت لگا دینے کا نام جہاد ہے۔''

علامہ قسطلانی کہتے ہیں:

((قِتَالُ الْكُفَّارِ لِنُصْرَةِ الْإِسْلَامِ ۔ وَإِعْلَاءِ كَلِمَةِ اللّٰهِ))

''اسلام کی نصرت اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کافروں سے قتال کرنے کا نام جہاد ہے۔''③

قارئین کرام! اہل لغت اور فقہاء و محدثین بلکہ خود نبی ﷺ کی زبانی آپ نے پڑھ لیا کہ جہاد کا لفظ اگر مطلق آئے تو اس سے قتال وغزوہ ہی مراد ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر جہاد کے ساتھ فی سبیل اللہ کا لفظ آئے تو اس سے مراد بھی قتال ہی ہوتا ہے۔

علامہ ابن رشد (محمد بن احمد) فرماتے ہیں:

''جہاد فی سبیل اللہ کا لفظ جب مطلق ہوگا تو صرف کافروں سے تلوار کے ساتھ لڑائی کرنے کا معنی دے گا حتیٰ کہ وہ مسلمان ہو جائیں یا ذلیل ہو کر جزیہ دینے لگ جائیں۔''④

ثابت ہوا کہ جہاد کا لفظ کبھی مطلق آتا ہے، کبھی فی سبیل اللہ کے لفظ کے ساتھ آتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں اس کا معنی قتال ہی کا ہوتا ہے اور کبھی جہاد کا لفظ کسی خارجی دلیل کے ساتھ آتا ہے تو اس کا وہی معنی ہوتا ہے جس پر وہ دلیل دلالت کر رہی ہو۔ ذیل میں ہم ان تینوں قسموں پر الگ الگ دلائل پیش کریں گے۔

مطلق لفظ جہاد:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِينَ جٰهَدُوا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِينَ﴾①

''کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے، حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے تم سے ان لوگوں کو نہیں پہچانا جنہوں نے جہاد کیا اور نہ ہی ان کو جانا جو صبر کرنے والے ہیں۔''

یہ آیت غزوۂ احد کے قصے کے بعد ذکر ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ وَ هَاجَرُوا وَ جٰهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ﴾②

''وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور آپ کے ساتھ مل کر جہاد کیا، وہ بھی لوگ تم میں سے ہیں۔''

یہ آیت بھی مطلق لفظ جہاد کا ذکر کرنے کے باوجود قتال کا معنی دے رہی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ ﴾[3]

''کیا تم سمجھے بیٹھے ہو کہ تمہیں ایسے ہی چھوڑ دیا جائے گا حالانکہ ابھی تک اللہ نے ان لوگوں کو نہیں پرکھا جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا۔''

اس آیت سے اگر ہر نیک عمل مراد لیا جائے تو معنی خراب ہو جائے گا کیونکہ جن لوگوں کو خطاب کیا جا رہا ہے، نیک اعمال تو سب کرتے تھے۔ البتہ بدو، دیہاتی اور بعض اہل مدینہ جہاد سے پیچھے رہ جاتے تھے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا:

﴿ مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوْا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَ لَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَ لَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾[1]

''اہل مدینہ اور دیہاتی لوگوں کے لائق نہ تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ جائیں۔ نہ یہ کہ وہ اپنے نفسوں کے ساتھ نبی ﷺ سے بے رغبتی کریں کیونکہ ان کو پیاس لگتی ہے نہ وہ تھکتے ہیں، نہ اللہ کی راہ میں انہیں بھوک لگتی ہے اور نہ ہی وہ ایسا قدم اٹھاتے ہیں جس سے کافر غضبناک ہوتے ہیں اور نہ ہی وہ دشمن کا کوئی نقصان کرتے ہیں مگر ہر کام کے بدلے ان کے لیے ایک نیک عمل لکھ دیا جاتا ہے۔ بیشک اللہ احسان کرنے والوں کا عمل ضائع نہیں کرتا اور نہ وہ تھوڑا بہت خرچ کرتے ہیں، نہ کوئی وادی عبور کرتے ہیں مگر وہ ان کے لیے لکھ دی جاتی ہے تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہترین اجر دے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُّجَاهِدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَ أَنْفُسِهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ○ إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ﴾[1]

''آپ سے وہ لوگ مال و جان کے ساتھ جہاد کرنے سے پیچھے رہنے کی اجازت نہیں مانگتے جو اللہ اور آخرت پر ایمان لاتے ہیں۔ اور اللہ متقی لوگوں کو خوب جانتا ہے، آپ سے تو صرف وہ اجازت مانگتے ہیں کہ جن کا اللہ اور آخرت پر ایمان ہی نہیں ہے۔''

یہاں بھی جہاد بمعنی قتال ہے کیونکہ نماز، حج، خیرات سے پیچھے رہنے کی کوئی بھی اجازت نہیں مانگتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ [2]

”اے نبی! کافروں اور منافقوں کے ساتھ جہاد کریں اور ان پر سختی کریں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور بہت برا انجام ہے۔“

یہاں بھی جاھد فی سبیل اللہ کے بغیر آیا ہے اور مراد قتال ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ وَ إِذَا أُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ أَنْ آمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ جَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴾ [3]

”اور جب بھی کوئی سورت نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لے آؤ، اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو، ان (منافقوں) کے ساتھ صاحب حیثیت لوگ بھی اجازت مانگنے لگ جاتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں گھر بیٹھنے والوں (بچوں، عورتوں) کے ساتھ چھوڑ دیجیے......“

پھر آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهُ جٰهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَ أَنْفُسِهِمْ وَ أُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ [1]

”لیکن رسول اللہ ﷺ اور ان کے مومن ساتھیوں نے اپنے مال وجان سے جہاد کیا۔ انہی کے لیے بہترین نعمتیں ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔“

یہی صورت حال سورۂ نحل کی (آیت نمبر ۱۱۰) میں ہے کہ مطلق جہاد سے قتال مراد ہے۔ اسی طرح سورۂ تحریم (آیت نمبر ۹) میں ہے۔ اور سورہ محمد ۳۱، میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔

جہاد مطلق کی سنت نبوی ﷺ سے مثالیں:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا:

« دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ يَعْدِلُ الْجِهَادَ، قَالَ لَا أَجِدُهُ قَالَ: هَلْ تَسْتَطِيْعُ إِذَا خَرَجَ الْمُجَاهِدُ أَنْ تَدْخُلَ مَسْجِدَكَ فَتَقُوْمَ وَلَا تَفْتُرَ، وَ تَصُوْمَ وَلَا تُفْطِرَ؟ قَالَ: وَ مَنْ يَسْتَطِيْعُ ذٰلِكَ؟ » [2]

”مجھے کوئی ایسا عمل بتادیں جو جہاد کا مقابلہ کر سکے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے ایسا کوئی عمل نہیں ملتا جو جہاد کے برابر ہو۔“ پھر فرمایا: ”کیا تو اس کام کی طاقت رکھتا ہے کہ جب مجاہد راہ جہاد پر سدھار جائے تو تو اپنی مسجد میں داخل ہو جائے، پھر (اس کے واپس آنے تک) قیام اللیل کرے اور تھکے نہیں اور مسلسل روزے رکھے، افطار بھی نہ کرے؟“ کہا: ”کون ایسا کر سکتا ہے

......؟’’

اس سے ثابت ہوا کہ ہر نیک کام جہاد نہیں ہوتا بلکہ جہاد اعلیٰ درجے کی نیکی ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ وَ أَقَامَ الصَّلَاةَ، وَ صَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، جَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوْ جَلَسَ فِيْ أَرْضِهِ الَّتِيْ وُلِدَ فِيْهَا فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَفَلَا نُبَشِّرُ النَّاسَ؟ قَالَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، مَا بَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ»[1]

’’جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لایا، نماز پڑھی، رمضان کے روزے رکھے تو اللہ پر حق ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کردے، خواہ اس نے جہاد کیا ہو یا گھر بیٹھا رہا ہو۔‘‘ تب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: ’’کیا ہم لوگوں کو بشارت نہ دے دیں؟‘‘ آپ نے فرمایا: ’’جنت میں سو بالا خانے ہیں جن کو اللہ نے صرف مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے مخصوص کیا ہے اور ہر بالا خانے کا آپس میں فاصلہ اتنا ہے جتنا زمین اور آسمان کا فاصلہ ہے۔‘‘

اس روایت نے تو جہادی مسلمانوں اور بیٹھ رہنے والے مسلمانوں کا فرق بالکل واضح کردیا ہے۔ یاد رہے کہ گھر بیٹھنے والا اس وقت وعید سے بچ سکتا ہے جب جہاد فرض کفایہ ہو لیکن جب جہاد فرض عین ہوجائے تو اس وقت ہر مسلمان پر نکلنا واجب ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا وَّ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا وَاللّٰهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾[2]

’’اگر تم جہاد کے لیے نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہیں مٹا کر دوسری قوم کو بسا دے گا اور تم اس کا کوئی نقصان نہیں کرسکو گے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

جہاد کا لفظ فی سبیل اللہ کے ساتھ:

جہاد کا لفظ فی سبیل اللہ کے ساتھ جب بھی آتا ہے تو اس سے مراد قتال وغزوہ ہی ہوتے ہیں میں نہیں سمجھتا کہ کوئی ذی فہم وشعور اس میں اختلاف رکھتا ہو۔ اس لیے طوالت کے خطرے سے ہم صرف دلائل کی طرف اشارہ ہی کریں گے:

(۱) البقرہ، ۲۱۸۔ (۲) النساء: ۹۵۔ (۳) المائدہ: ۵٤۔

(٤) الانفال: ۷۲۔ (٥) الانفال: ۷٤۔ (٦) التوبہ: ۲۰۔

(۷) التوبہ: ۲٤۔ (۸) التوبہ: ٤۱۔ (۹) التوبہ: ۸۱۔

(۱۰) الحجرات :۱۵۔ (۱۱)الممتحنة : ۱٦ ۔(۱۲) الصف:۱۱۔

لفظ جہاد خارجی دلیل کے ساتھ:

بسا اوقات لفظ جہاد مقیّد طور پر آتا ہے اور وہی معنی دیتا ہے جس کیلئے قید لائی گئی ہوتی ہے۔ جیسے ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَ إِنْ جٰهَدٰكَ عَلٰىٓ أَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ﴾ [1]

''اور اگر تیرے والدین اس بات کی کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ شرک کرے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کی اطاعت نہ کرنا۔''

یہاں جاهد کا لفظ مقید ہے کہ وہ شرک کروانے کی کوشش کریں تو اس سے مراد قتال نہ ہوگا۔

ایک آدمی قتال کرنے کیلئے آیا تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ((أَحَیٌّ وَالِدَاكَ ؟)) ''کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟'' کہا: ہاں۔ فرمایا: ((فَفِيْهِمَا فَجَاهِدْ)) ''انہیں کی خدمت میں جہاد کر۔'' [2]

یہاں والدین کی خدمت کے ساتھ جہاد کا لفظ ہے کہ یہ خدمت والا جہاد ہے تو یہ قتال کے برابر نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، الا یہ کہ والدین مجبور ہوں تو اس عذر کی وجہ سے مجاہد میدان سے پیچھے رہے تو اللہ نیتوں پر بھی اجر دیتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں جہاد کا لفظ مشابہت سے آیا ہے جیسے قرآن میں ہے:

﴿ يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ۔ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُوْنَ ۝ اللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ ﴾ [1]

اللہ تعالیٰ نہ مذاق کرتا ہے اور نہ ہی دھوکے باز ہے۔ نعوذ باللہ بلکہ یہ لفظ خط کشیدہ الفاظ کی مشاکلت اور مشابہت سے آئے۔ اسی طرح وہ مجاہد چونکہ جہاد کرنے آیا تھا تو یہی لفظ آپ ﷺ نے اس کیلئے خدمت والدین پر بول دیا کیونکہ جہاد سے رہنے کا سبب خدمت والدین تھا۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ یہ ہوا کہ جہاد کا لفظ فی سبیل اللہ کیساتھ آئے تو اس سے مراد قتال ہوتا ہے۔ اگر مطلق آئے تو اس سے مراد بھی قتال ہوتا ہے اور اگر کسی قید کے ساتھ آئے تو اس سے مراد وہی معنی ہوتا ہے جس پر وہ دلالت کر رہا ہو۔ جیسے ہم کہتے ہیں، فلاں بہت بڑا عالم ہے یا عالم دین ہے تو اس کی مراد واضح ہوتی ہے کہ وہ دین کا عالم ہے لیکن اگر عالم سے کسی اور علم کا ماہر مراد ہو تو پھر وضاحت کرنا پڑے گی کہ وہ عالم کیمیا ہے، عالم طب ہے، عالم ریاضیات ہے وغیرہ وغیرہ۔

یہی حال لفظ جہاد کا ہے اور اگر جہاد سے مراد ہر نیکی کا کام ہوتا تو پھر سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو غزوۂ تبوک سے پیچھے رہنے کی سزا کیوں ملی تھی؟ دیگر نیک اعمال تو وہ کیا ہی کرتے تھے، وضاحت دیکھیں سورۂ توبہ میں موجود ہے۔

دیگر نیک اعمال کرنے والا جہاد کا ثواب ایک صورت میں پاسکتا ہے کہ جب وہ کام جہاد فی سبیل اللہ کی ضرورت ہو جیسے کہ جب لشکر اسلام روانہ ہوتا ہے۔ اس میں لکڑیاں اکٹھی کرنے والا، کھانا پکانے والا، کپڑے دھونے والا، پانی بھرنے والا، تیر بنانے والا، تلواریں تیز کرنے والا، سواریوں کی دیکھ بھال کرنے والا، زخموں پر مرہم رکھنے والا وغیرہ سب جہاد کا اجر پاتے ہیں۔ ان شاء اللہ۔

اسی طرح جہاد پر ابھارنے والا، وعظ ونصیحت کرنے والا ایسا ہی اجر پاتا ہے۔ اسی طرح ہر وہ مجاہد جو حکم امیر یا کسی شرعی عذر سے گھر بیٹھا ہوا ہے لیکن تیاری مکمل ہے، ہر آن جانا چاہتا ہے، وہ بھی نیت کے مطابق مجاہد کا اجر پاتا ہے۔ (ان شاء اللہ) لیکن ان کے درجات، ان کی آزمائشوں اور صبر واستقامت اور خلوص سے کم وبیش ہوتے رہتے ہیں۔

چند شبہات کا ازالہ:

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مجاہد کو کہا کہ تو والدین کی خدمت کر کے جہاد کر۔ تو اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ جب تک والدین زندہ ہوں، جہاد جائز نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس وقت ہے جب جہاد یعنی اقدامی ہو، فرض کفایہ ہو، لیکن جب جہاد فرض عین ہو جائے تو کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ والدین کی زندگی جہاد میں رکاوٹ ہوتی تو سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم والدین کی موت کا انتظار کرتے اور گھر بیٹھے رہتے، حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ آیۃ مبارکہ ﴿قُلْ اِنْ کَانَ آبَاءُ کُمْ﴾ میں والدین پر جہاد کو ترجیح دینے کا حکم ہے۔ ہاں کوئی والدین حاجت مند ہوں تو امیر جہاد کی اجازت سے ان کی خدمت ضرور کرنی چاہیے۔

جہاد اکبر کا دھوکا:

گزشتہ دنوں کسی مولوی صاحب نے حالیہ صدر پاکستان کو ایک جھوٹ لکھ دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک غزوہ سے واپسی کے بعد فرمایا: ''ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے ہیں۔'' حالانکہ یہ صاف جھوٹ ہے۔ اس کو بیان کرنے والا یحیٰی بن العلاء کذاب ہے۔ امام احمد، ابن معین، ابن حجر رحمۃ اللہ علیہم نے اس کو جھوٹا کہا ہے۔ دوسرے یہ کہ جو عبادت رسول اللہ ﷺ گھر میں کرتے تھے، کیا ان کو میدان جہاد میں ترک کر دیتے تھے؟ اگر نہیں تو پھر میدان جہاد میں ان عبادات میں جہاد کا بھی اضافہ ہو گیا تو پھر جہاد جیسی عظیم عبادت جہاد اصغر کیسے ہو گئی؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ أَعْمَالِكُمْ وَأَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيكِكُمْ وَأَرْفَعِهَا فِي دَرَجَاتِكُمْ، وَخَيْرٍ لَكُمْ مِنْ إِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ وَ خَيْرٍ لَكُمْ مِنْ أَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوْا أَعْنَاقَهُمْ وَ يَضْرِبُوا أَعْنَاقَكُمْ؟ قَالُوا: بَلَى، قَالَ: ذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالَى» [1]

''کیا میں تمہیں تمہارے اعمال میں اچھے عمل کے بارے میں بتاؤں جو عمل تمہارے مالک کے یہاں بہت پاکیزہ ہو، درجات میں بہت بلند پایہ ہو، سونا چاندی خرچ کرنے سے افضل ہو اور اس سے بھی افضل ہو کہ تم دشمن کو ملو اور تم ان کی گردنیں مارو وہ تمہاری گردنیں ماریں؟ لوگوں نے کہا ''کیوں نہیں!'' آپ نے فرمایا: ''وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔''

اس حدیث سے مراد یہ نہیں کہ ذکری حضرات مجاہد سے افضل ہو گئے ہیں۔ بلکہ اس میں رسول اللہ ﷺ نے مجاہد کے تمغے شمار کیے ہیں کہ جہاد تو جہاد ہے، مجاہد کا ذکر الٰہی بھی ایک الگ جہاد کی مانند ہے۔ کیونکہ مجاہد لوگ گھر بیٹھنے والوں سے کہیں زیادہ ذکر الٰہی کرتے ہیں، ان

کوتو ان کے رب نے خصوصی حکم دیا ہے:

﴿ يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾[2]

''اے ایمان والو! جب تم دشمن سے ملو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

”جَاهِدُ هُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا “

کا معنی ومفہوم

قرآن مجید کی آیت کے الفاظ:

﴿ وَجَاهِدُهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴾[1]

”اوران سے جہاد کرو ساتھ اس کے بڑا جہاد۔“

سے بعض لوگ یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ سورت چونکہ مکی ہے اوراس میں جہاد کبیر کا حکم ہے جب کہ مکہ میں صرف تبلیغ تھی تو ثابت ہوا کہ تبلیغ جہاد اکبر ہے ورنہ یہ لازم آئے گا کہ آپ ﷺ نے اس آیت پر عمل نہیں کیا۔

کئی علمائے کرام،شیوخ اپنے خطبات،دروس وتقاریر میں بڑی شدومد سے اس نکتہ کو بیان کرتے اور شہروں،دیہاتوں میں اپنے تبلیغی سفروں کو جہاد کبیر قرار دیتے ہیں۔قتال وجہاد کی سرگرمیوں کو جہاد اصغر بلکہ مزید کمتر ظاہر کر کے لوگوں کو متنفر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس مسئلہ کے سلسلہ میں چند گذارشات پیش کی جارہی ہیں۔امید ہے بغور ان کا مطالعہ کر کے ٹھنڈے دل اور خلوص سے توجہ فرمائی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ”حنفآء “ بنا کر دین کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔دین کے معاملہ میں ڈنڈی مارنا،کسی گروہ اور شخصیت کے تعصب میں یا کسی کی محبت میں حق کو ٹھکرانا مومن کو زیب نہیں دیتا۔

مندرجہ بالا آیت کے ٹکڑے سے یہ مفہوم اخذ کرنے کی بنیاد اس اصول پر رکھی گئی ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور مکہ میں آپ ﷺ نے قرآن کے ساتھ تبلیغ کی لہٰذا زبان سے قرآنی تبلیغ جہاد کبیر ہے۔اسی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے ہم قرآن مجید کی چند اور آیات کو دیکھتے ہیں اور ان کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔توجہ اور اخلاص ضروری ہے۔

قرآن مجید میں سورت مزمّل اوائل اسلام میں نازل ہوئی ہے۔ مکہ میں آپ ﷺ تیرہ برس رہے ہیں۔شروع میں یہ سورت نازل ہوئی اور اس کا آخری رکوع پہلے رکوع سے ایک سال بعد نازل ہوا جیسا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے۔اس طرح یہ مکمل سورت مکی ہے مگر اس میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنكُم مَرْضَى وَ آخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَ آخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾[1]

''یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ بیمار ہوں گے اور کچھ اللہ کا فضل تلاش کرتے ہوئے سفر کر رہے ہوں گے اور کچھ دوسرے اللہ کی راہ میں لڑائی (قتال) کر رہے ہوں گے۔''

اب اسی اصول کے مطابق اس مقام کو سمجھیں تو بتائیں وہ کون لوگ تھے جو مکہ میں قتال کیا کرتے تھے اور اللہ کے راستے میں لڑا کرتے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ قیام اللیل کے متعلق آسانیاں دے رہا ہے۔ یا تو مکہ میں قتال کرنے والے ثابت کرنا پڑیں گے یا پھر اللہ کے اس فرمان کے متعلق اسی اصول کے مطابق یہ کہا جائے گا کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے معاذ اللہ اس پر عمل نہیں کیا؟

اسی آیت میں ﴿وَ اَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ یعنی ''نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا ذکر ہے۔'' حالانکہ مکہ مکرمہ میں اقامت صلوٰۃ کا باجماعت اہتمام نہیں تھا اور نہ ہی مقررہ نصاب کے مطابق زکوٰۃ فرض ہوئی تھی۔ اس آیت کو بھی اگر اسی اصول پر پرکھا جائے تو یہاں بھی دو باتوں میں سے ایک لازم آئے گی۔ یا تو نماز باجماعت کا اہتمام اور زکوٰۃ کی ادائیگی اور وصولی کا نظام مکہ میں دکھائیں یا پھر ماننا پڑے گا کہ آپ ﷺ اور صحابہ نے معاذ اللہ اس پر عمل نہیں کیا، جب کہ یہ حقیقت ہے کہ سورت مکی ہے۔

﴿لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ﴾[1]

''یعنی (اے پیغمبر!) میں اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتا ہوں اور (ایک دن) یہی شہر تیرے لیے حلال ہوگا۔''

یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ اگر وہی اصول سامنے رکھا جائے تو کب آپ ﷺ نے مکہ کو حلال کیا تھا اور اس میں کفار و مشرکین کو قتل کیا تھا؟

آیت ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ﴾[2] ''عنقریب یہ جماعتیں شکست کھائیں گی اور پیٹھ دے کر بھاگ جائیں گی۔''

مکہ میں نازل ہوئی۔ ﴿جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ﴾[3] ''لشکر بڑے بڑے اس جگہ شکست کھا گئے فرقوں میں سے۔''

یہ آیت بھی مکہ میں نازل ہوئی۔ بتائیے مکہ میں کونسی جماعت نے شکست کھائی اور پشت پھیر کر بھاگی؟ اور کس لشکر نے منہ کی کھائی تھی؟

﴿قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ﴾[4] ''کہہ دو کہ حق آ گیا اور باطل نہ تو پہلی بار پیدا کر سکتا ہے اور نہ دوبارہ پیدا کرے گا۔'' اور ﴿قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾[5] ''کہہ دیجئے حق آ گیا اور باطل مٹ گیا یقیناً

باطل مٹنے والا ہے۔'' مکی سورتیں ہیں اور مکی آیات ہیں۔ بتائیں مکہ میں کہاں حق غالب آیا اور کہاں باطل دم دبا کر بھاگ گیا تھا؟ ﴿کُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِہٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَ اٰتُوۡا حَقَّہٗ یَوۡمَ حَصَادِہٖ ﴾[1] ''ان (باغوں اور کھیتوں) کے پھلوں سے کھاؤ جب وہ پھل دیں اور ان کی کٹائی کے دن ان کا حق ادا کرو۔'' مکی آیت ہے اور مکہ میں کہاں پیداوار ہوتی تھی، کون کھیتی باڑی کرتا تھا اور کہاں عشر یا نصف العشر وصول کیا گیا؟ ﴿وَ مَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَی اللّٰہِ وَ عَمِلَ صَالِحًا ﴾[2] ''اس شخص سے بات کا اچھا کون ہوسکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے۔'' بقول سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہ آیت مؤذنین کے متعلق ہے۔ آیت مکی ہے اور اذان کی فرضیت مدینہ میں ہوئی۔ مکہ میں کہاں اذان تھی اور کہاں مؤذن تھے؟

﴿قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی ۙ وَ ذَکَرَ اسۡمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ؕ﴾[3]

''یقیناً وہ کامیاب ہوگیا جس نے اپنا تزکیہ کیا، اپنے رب کا ذکر کیا اور اس نے نماز ادا کی۔''

بحوالہ بیہقی ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں یہ زکوٰۃ الفطر کے متعلق ہے۔ اب سورت مکی ہے جب کہ مکہ میں روزے تھے نہ عید اور نہ ہی فطرانہ؟

اب جس طرح وہ آیت مکی ہے اور اس میں جہاد کبیر کا تذکرہ ہے اسی طرح یہ آیات بھی مکی ہیں اور ان میں قتال اور قتال کرنے والوں کا تذکرہ ہے، کافر جماعتوں کے شکست کھانے اور پشت پھیر کر بھاگنے کا تذکرہ ہے، حق کے غالب آنے اور باطل کے ختم ہونے کا تذکرہ ہے۔ اذانوں، باجماعت نمازوں، زکوٰۃ وعشر اور فطرانہ کی ادائیگیوں کا تذکرہ ہے...... اس آیت کی تاویل میں تو تبلیغ ودعوت کو جہاد کبیر کہہ لیا، اب ان آیات کی تاویل میں کیا فرمائیں گے؟

تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہماری تشریحات وتاویلات اور فہم میں غلطی ہے۔ جہاد کبیر کا وہ مفہوم نہیں ہے جو ہم بیان کر رہے ہیں ورنہ اسی مکی اصول پر ان آیات کا جواب دینا پڑے گا اور یہ اٹل حقیقت ہے کہ یہ ساری مکی ہیں اور ان میں محکم الفاظ ہیں جو تاویل کا احتمال ہی نہیں رکھتے۔ لفظ جہاد کی تو لغوی معنی کے ساتھ کوشش ومحنت کر کے تاویل کر لی گئی۔ کیا کوئی لفظ قتال کی تاویل کرے گا؟ اور صرف لفظ قتال ہی نہیں بلکہ ﴿یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ﴾ کہہ کر صوفیانہ تاویل کی گنجائش بھی ختم کر دی گئی..... ((ہَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ))۔

حقیقت یہ ہے کہ مکی مدنی کی تقسیم کر کے قتال فی سبیل اللہ کی فرضیت سے انکار کرنا قرآن کی تحریف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ فرمائے۔ آمین!

اب آیئے اصل مفہوم کی طرف:

علوم قرآن کے متعلق کتب اور کتب تفسیر میں بھی وضاحت کی گئی ہے کہ دین اسلام میں کچھ اہم کام ایسے بھی ہیں جن کی اہمیت اور لوگوں کو ذہنی طور پر تیار کرنے نیز بشارتیں دینے کے لیے ان کی فرضیت تو بعد میں ہوئی مگر ان کے تذکرے بہت پہلے کیے گئے۔ یہاں بھی جہاد وقتال، کفر کے شکست کھانے اور بھاگنے کے معاملات، اذانیں، اقامت صلوٰۃ، زکوٰۃ وعشر کی وصولیاں، حق کا غلبہ، باطل کی تذلیل یہ

سارے معاملات بعد میں ہونا تھے اور ہوئے مگر ان کے متعلقہ یہ ساری باتیں مکہ مکرمہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائیں تاکہ اہل ایمان اپنے ایمان میں پختہ بھی رہیں خوش و مطمئن بھی ہو جائیں اور ذہنی طور پر تیار بھی ہو جائیں۔

دیکھیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی فرماتے ہیں: ﴿ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴾ سن کر میں بھی پریشان ہوا اور سوچنے لگا ﴿ اَيُّ جَمْعٍ ﴾ کون سی جماعتیں شکست کھائیں گی اور پشت پھیر کر بھاگیں گی تو جب جنگ بدر ہوئی ''کفار قریش شکست کھا کر بھاگے''۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلوار سونتے ان کے تعاقب میں دیکھا اور یہ پڑھتے ہوئے سنا ﴿ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴾ تو اصل معاملہ کھل کر سامنے آیا کہ یہ وہ حقیقت تھی جسے اللہ تعالیٰ نے بہت پہلے ہمارے سامنے بیان کیا تھا۔

اسی طرح ﴿ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ﴾ تفسیر میں سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ((وَعَدَهُ اللّٰهُ وَهُوَ يَوْمَئِذٍ بِمَكَّةَ أَنَّهُ سَيُهْزَمُ جُنْدًا مِّنَ الْمُشْرِكِينَ فَجَاءَ تَأْوِيلُهَا يَوْمَ بَدْرٍ)) ''اللہ تعالیٰ نے مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا کہ مشرکین کا گروہ شکست کھائے گا تو یہ حقیقت جنگ بدر کے وقت ثابت ہوگئی۔''

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آیت ﴿ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ ﴾ کے متعلق فرماتے ہیں:

﴿ قَالَ السَّيْفُ وَالْآيَةُ مَكِّيَّةٌ مُتَقَدِّمَةٌ عَلٰى فَرْضِ الْقِتَالِ ﴾

''آیت تلوار کے متعلقہ ہے حالانکہ مکہ میں نازل ہوئی اور فرضیت قتال سے پہلے نازل ہوئی۔''

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایت کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے وقت مکہ میں داخل ہوئے، کعبہ کے آس پاس اور اندر تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی لکڑی سے انہیں مار رہے تھے اور ساتھ پڑھ رہے تھے ﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴾

﴿ لَا أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَ أَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴾ میں بیان کی گئی حقیقت بھی فتح مکہ کے وقت کھلی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے پردوں میں چھپے ہوئے کافروں کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا اور بعد میں خطبہ دیا کہ ﴿ أُحِلَّتْ لِيْ سَاعَةٌ مِنْ نَهَارٍ ﴾ دن کا تھوڑا سا وقت میرے لیے مکہ حلال کیا گیا ہے اور اب پھر اس کی حرمت پہلے کی طرح لوٹ آئی ہے۔

گویا یہ قرآن مجید کے معجزانہ حقائق اور بہت پہلے پیش کی گئی صداقتیں ہیں جن کے اثبات پر ایمان بڑھ جاتا ہے مگر افسوس ہم نے ان صداقتوں اور حقیقتوں سے ایمان کو پختہ کرنے کی بجائے دوسرا راستہ اختیار کیا اور جہاں سے ایمان بڑھنا چاہیے تھا، وہاں سے تاویلوں اور تعصّبات کے ذریعے ایمان کا بیڑا غرق کر لیا۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَّمَا يُضِلُّ بِهٖ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴾[1]

''اس (قرآن) سے بہت سے گمراہ ہوتے ہیں اور بہت سے ہدایت حاصل کرتے ہیں اور گمراہ وہی ہوتے ہیں جو فاسق ہوں۔''

اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔مندرجہ بالا آیات اوران کے حقائق کی روشنی میں ہمیں جہاد کبیر سے تبلیغ کی تاویل کرنے کی بجائے اس جہاد کو سمجھنا چاہیے جس کا حکم مدینہ میں آ کر ہوا اور جس طرح ان آیات میں ﴿أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ، آتُوا الزَّكٰوةَ﴾ اور ﴿وَاٰتُوا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ میں امر کے صیغوں کو اور دوسرے ماضی کے صیغوں کو زمانہ نزول کے اعتبار سے مستقبل کے معنی میں کریں گے۔اسی طرح ﴿جَاهِدْهُمْ﴾ کو بھی مستقبل کے انداز میں بیان کرنا چاہیے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو ان سے جہاد کریں گے اور تلوار سے انہیں سیدھا کریں گے، جہاد وقتال کے میدان گرم ہوں گے۔اللہ کی طرف سے رحمتیں نازل ہوں گی، یہ پشت پھیر کر بھاگیں گے،حق غالب آئے گا اور اسلام قائم ہوگا۔(ان شاء اللہ)

افسوس کی بات ہے کہ بعض علمائے کرام جہاد کے متعلقہ اس آیت کی تاویل کے ساتھ ساتھ جہادی راہوں میں اترنے والی اللہ کی نصرت و مدد کو بھی تبلیغ کے میدان میں نصرت کے رنگ میں پیش کرتے ہیں۔بڑا دکھ ہوتا ہے کہ جہاد اور جہادی لشکروں کے کارناموں اور ان پر اللہ کی نصرت و مدد کے مناظر کو کیوں تحریف کا شکار کر کے جہاد کو چھپایا جاتا ہے اور عوام الناس کو جہاد سے متنفر کیا جاتا ہے۔کیا اس طریقے سے یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں سے مشابہت نہیں ہو جاتی۔وہ بھی تو امت مسلمہ کو جہاد سے دور رکھنے کی سعی لا حاصل میں پیہم مصروف ہیں۔ایسے لوگ عوام الناس کی اصلاح اور قرآن وسنت پر عمل کروانے کی کوشش میں بھی اگر مخلص ہیں تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جہاد کا راستہ اصلاح کا بھی یقینی اور شارٹ کٹ راستہ ہے۔یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جہادی ٹریننگ سے بہت جلد اور بڑی خالص اصلاح ہوتی ہے، ایمان بڑھ جاتے ہیں، قرآن وسنت پر عمل پختہ ہو جاتے ہیں، یہود و نصاریٰ کی مشابہتیں ختم ہو جاتی ہیں تو ایسے لوگ اگر مشن تبلیغ واصلاح میں بھی مخلص ہوں تو کیا یہ جہاد والا شارٹ کٹ اور یقینی راستہ نہ اختیار کریں؟

ہمیں چاہیے کہ شخصیات کی وجہ سے اپنے عقیدے نہ بدلیں بلکہ حق کو حق تسلیم کر کے اس پر تعاون کریں اور باطل سے کنارہ کشی کر کے خود بھی مخلص بنیں اور لوگوں کو بھی اخلاص کی تلقین کریں۔جزاکم اللہ خیراً۔

❀ …… ❀ …… ❀